از

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم

ناشر

اعتقاد پبلشنگ ہاؤس پہاڑی بھوجلہ دہلی ۶

قیمت 2/75

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بڑی مصیبت یہ رہی کہ علمائے دربار و حکومت جو کچھ کرتے ہیں بادشاہِ وقت کے نام سے۔ پس ان کی مخالفت گویا حکومت وقت کی بغاوت ہوتی ہے۔ ان تمام حالات کو سامنے لاکر غور کرو۔ اس عہد کی عالم آشوبی کا کیا حال تھا؟ کس طرح سکوت عن الحق کا سناٹا، اور قبول باطل، و اطاعت ظلم و طغیان کی مردنی چھائی ہوئی تھی؟ اور جابروں کی ہیبت اور ظالموں کے جبروت نے کلمۂ حق کی گونج سے تمام فضائے ہند کو خالی کر دیا تھا۔ ایک ایسے عزم شکن اور ایمان آزما وقت میں شیخ جمال الدین اور شیخ داؤد رحمہما اللہ تعالیٰ حکومت وقت کی طاقت سے بے نیاز اور جبابرۂ عہد کی خونخواریوں سے بے پروا ہو کر آگے بڑھے اور اپنے عہد کے تمام مجمع حق شناسانِ کار کو راہِ حق گوئی میں اپنے پیچھے چھوڑ دیا، انھوں نے نہ صرف حکومتِ وقت (سلیم شاہی

تعداد تین سو

مطبوعہ پرنٹرس پرس لیتھو پریس ۵۲۲۸ بلیماران دہلی ۶

سول ایجنٹ

ناز پبلشنگ ہاؤس پہاڑی بھوجلہ دہلی

باب

فی الحقیقت یہی وہ مقام منتہاء درجۂ عزیمت و سبقت بالخیرات باذن اللہ ہے جس کو قرآن حکیم نے "عزم امور" سے تعبیر کیا ہے: وان ذالک لمن عزم الامور اور یہی وہ طبقات ثلاثہ اعمال انسانیہ کا آخری اور اعلیٰ طبقہ ہے جو صرف وصول الی الحق ہی پر قانع نہیں ہو جاتا بلکہ جادۂ حق میں سب سے آگے نکل جانا اور بڑھ جانا چاہتا ہے اور جس کا مرتبہ اصحاب "اقتصاد" سے بھی مافوق و ارفع ہے فمنھم ظالم لنفسہ و منھم مقتصد و منھم سابق بالخیرات باذن اللہ[1]۔ اور یہی مقام ہے جو ایک دوسری تقسیم میں مرتبۂ "صالحین" سے مرتفع ہو کر مرتبۂ "شہداء" یعنی شاہدین حق تک پہونچتا اور پھر "صدیقیت" تک پہونچ کر انسانیت کبریٰ کے

---

[1] ان میں اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں، اور ان میں معتدل ہیں، اور ان میں اذن الٰہی سے نیکیوں کے ساتھ سبقت لے جانے والے ہیں۔

حکومت) اور مخدوم الملک کی مخالفت میں صدائے حق بلند کی، بلکہ ارباب حق کی تائید میں علانیہ ایک کتاب بھی لکھی اور صاف صاف کہہ دیا کہ ان مظالم کا نتیجہ حکومت کی تباہی ہے۔

اس واقعہ سے بڑھ کر ان بزرگوں کی عظمت جاودانی کے لئے اور کون سا واقعہ شاہد ثابت ہو سکتا ہے؟ اور اس کے بعد کون سی بات رہ جاتی ہے جس کی جستجو ہو؟ وقال صلی اللہ علیہ وسلم افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جابر (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

یہ کہ اسی عزیمت و اولیت اقدام کے بنیادی فرق نے "منفقون قبل الفتح" کو "الذین انفقوا من بعد" پر فضیلت بخشی کہ ساری بڑائی سب سے پہلے قدم اٹھانے والے کے لئے ہے نہ کہ دوڑتے ہوؤں کو دیکھ کر دوڑنے والوں کے لئے" اگرچہ چلنے والے قدم بہرحال بیٹھنے والوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل، اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ۔ اصل و بنیاد فرق مراتب و تقسیم مدارج کی ایک ہی ہے مگر اس نے علم و عمل کے مختلف میدانوں میں مختلف حیثیتوں سے مختلف ناموں اور صورتوں میں ظہور کیا ہے۔ اور یہ جو کچھ کہا گیا باب اشارات سے ہے و از قبیل اخذ مطالب کثیرہ بکلمات یسیرہ و قلیلہ، ورنہ تقسیم طبقات و مراتب امت و اصحاب اعمال و دراست کا موضوع منجملہ معارف مہمہ و غامضہ کتاب و سنت کے ہے، اور

ع تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اسی فرق مراتب اور تفضیل اصحاب عزائم دعوت و مقومین حق علی اصحاب الرخص و ضعفاء الطریق کی طرف حدیث ابو سعید خدری

ا تم میں برابر نہیں ہیں وہ لوگ جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی، وہ ان سے کہیں اونچے درجہ کے ہیں۔ جنہوں نے (فتح مکہ) کے بعد خرچ کیا اور لڑائی کی، دونوں سے اللہ نے اچھائی کا وعدہ کیا ہے۔

آخری نقطۂ علوّ و ارتفاع، و مرکز دائرۂ نوع، و مبدء کمال و ارتقاء بشری یعنی مقامِ نبوت سے ملحق ہو جاتا ہے کہ کائنات ارضی اور نوع انسانی میں جماعت "مَنْ اَنعم اللّٰہ علیھم" ان چار قسموں سے باہر نہیں۔ مِنَ النبیین وَ الصدیقین و الشھداء و الصالحین وحسن اولٰئک رفیقا۔ اور پھر یہی وہ مرتبۂ اعلیٰ اور درجۂ کبریٰ منجملہ اقسام ثلٰثہ "السَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ" کا ہے جو "اصحاب الیمنہ" سے بھی بلند تر ہے اور سبقت و اقدام اور اولیت اور رفعیت صرف اسی کے حصے میں آئی ہے۔ اولٰئک المقربون فی جنات نعیم ثلة من الاولین وقلیل من الآخرین[1]۔ اور بلحاظ اصل و اساس تقسیم یہی وہ فرق ہے جس نے ایک دوسرے میدان میں اصحاب عمل کو دو جماعتوں میں منقسم کر دیا، اور دوسری نے پہلی سے ارفع و اعلیٰ مرتبہ پایا کہ لا یستوی القاعدُونَ مِنَ المومنین غیر اولی الضرر و المجاھدون فی سبیل اللّٰہِ باموالھم و انفسھم[2] اور اگرچہ دونوں جماعتیں مومنین صادقین کی ہیں۔ کلا وعد اللّٰہ الحسنیٰ[3] لیکن فضل اللّٰہ المجاھدین علی القاعدین اجراً عظیماً[4] کے مفاضلۂ مدارج و تفاوت معارج کا قانون بھی قطعی و ناگزیر ہے اور سب سے آخر یہ

---

[1] وہی لوگ عیش کی جنتوں میں مقرب ہیں، ایک جماعت اولین میں سے اور کچھ لوگ آخرین میں سے۔ [2] بے روگ بیٹھنے والے مومن اور راہ خدا میں اپنی جان و مال سے مجاہد برابر نہیں ہیں۔ [3] ہر ایک سے خدا نے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

[4] جہاد کرنے والوں کو بیٹھے ہوؤں پر اجر عظیم میں فضیلت دی ہے۔

اور ٹھیک ٹھیک اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یعنی شریعت الہٰی کو جس حال اور جس شکل میں نبی چھوڑ گیا ہے، اس کو بعینہ محفوظ رکھتے اور اس میں ذرا بھی فرق آنے نہیں دیتے ہیں۔ لیکن ان کے بعد بدع وفتن کا دور آتا ہے اور ایسے لوگ پیدا ہونے لگتے ہیں جو اسوۂ نبوت سے منحرف ہو جاتے ہیں ان کا فعل ان کے دعوے کے خلاف ہوتا ہے، اور ان کے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے شریعت نے حکم نہیں دیا، سو ایسے لوگوں کے خلاف جس کسی نے قیام حق و سنت کی راہ میں اپنے ہاتھ سے کام لیا وہ مومن ہے، جو ایسا نہ کر سکا اور زبان سے کام لیا، وہ بھی مومن ہے، جس سے جہاد لسانی بھی نہ ہو سکا، صرف اعتقاد اور نیت کے ثبات کو اُن کے خلاف کام میں لایا، وہ بھی مومن ہے لیکن اس آخری درجہ کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں۔ حتیٰ کہ رائی برابر بھی ایمان نہیں ہو سکتا۔ تو اس حدیث میں بھی وہی تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ اصحاب عزیمت کا، دوسرا اصحاب رخص کا، تیسرا اضعاف طریق کا، وذالک اضعف الایمان، اور اس آخری درجہ پر ایمان کی سرحد ختم ہو جاتی ہے کہ: ولیس وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل۔ یہاں ذکر اگرچہ صرف مبتدعین و محرفین شر کے خلاف جہاد ید و لسان کا ہے، لیکن اصل تقسیم اس میں محدود نہیں۔ مقصود نفس عزیمت و استبقیت بالخیرات ہے۔ اور یہ کہ ہر میدان علم و عمل میں ایک درجہ عزیمت کا، ایک رخصت کا، اور ایک ضعف و انحطاط کا ہوتا ہے۔ البتہ اس تقسیم کا سب سے بڑا میدان عمل

رضی اللہ عنہ عند مسلم میں اشارہ فرمایا اور اس کو بھی آیات کریمۂ متذکرۂ صدر
کے ساتھ بہ یک نظر دیکھنا چاہیئے کہ "من رای منکم منکرا فلیغیرہ
بیدہ وان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ و ذالک
اضعف الایمان" تم میں سے جب کوئی شخص برائی کو دیکھے تو چاہیئے
کہ اپنے ہاتھ سے کام لے کر اس کو دور کر دے اگر اس کی طاقت نہ
نہ پائے تو زبان سے، اگر اس کی بھی طاقت نہ پائے تو دل سے، اور یہ آخری
درجہ ایمان کی بڑی ہی کمزوری کا درجہ ہے۔ پس اس حدیث میں بھی تین
درجے فرمائے اور جس طرح آخری درجہ اضعف الایمان کا ہوا اسی طرح پہلا
درجہ اقوی و اشد کمال مرتبہ عزیمت دعوت کا ہوا۔ اس سے بھی واضح
تر حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے کہ، مامن نبی بعثہ اللہ فی امتہ
قبلی الا کان لہ فی امتہ حواریون و اصحاب یاخذون بسنتہ
ویقتدون بامرہ ثم انہا تخلف من بعدھم خلوف یقولون
ما لا یفعلون و یفعلون ما لا یومرون فمن جاھدھم بیدہ فھو
مومن و من جاھدھم بلسانہ فھو مومن و من جاھدھم
بقلبہ فھو مومن و لیس وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل"
(مسلم) یعنی سنت الٰہی یہ ہے کہ ہر نبی اپنے ساتھیوں اور تربیت
یافتہ یاروں کی ایک جماعت امت میں چھوڑ جاتا ہے۔ یہ جماعت حواری
یا اصحاب کے لقب سے ملقب ہوتی ہے اور درسگاہ نبوت کی سب
سے پہلی تعلیم یافتہ جماعت ہوتی ہے۔ یہ لوگ نبی کی سنت کو قائم رکھتے

؎ یہاں ایک طویل فٹ نوٹ تھا جسے تذکرہ میں دیکھنا چاہیئے۔

و مصداق حدیث مجدد کے ہیں جو مختلف طریق سے مروی اور اسلئے
بلحاظ صحت متن اس کی صحت میں کلام نہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا وجود
فی الحقیقت نظام حق و ہدایت کا مقوم و منظم ہے، اور انبیائے کرام کی اصلی
وراثت انہی میں منتقل ہوتی ہے۔ البتہ یہ مقام از بس اعلیٰ وارفع ہے۔ اور
ہر عہد و دور میں صرف چند نفوس عالیہ ہی ایسے ہوتے ہیں جن کا قدم
ہمت امتحان گاہِ مصائب و مہالک سے آگے بڑھکر وہاں تک پہونچتا
ہے اور اپنے عہد کے سب سے بڑے عمل حق کو انجام دیتا ہے۔ اس
کے لیئے نہ تو تجرد علم و تدریسِ کتب کام آتی ہے نہ رسوم و ہیئات زہد
و انقطاع، نہ مدارس و معاہد دینی کے غلغلہ و ہنگامہ فضیلت اس میں دخل
ہے اور نہ صومعہ و خانقاہ کے گوشۂ انزوا کو۔ ان کے عہد میں علماء و
اصحاب مشیخت کی کمی نہیں ہوتی، اور کچھ یہ بات بھی نہیں کہ مدرسے اجڑ
جاتے ہوں خانقاہیں منہدم ہو جاتی ہوں، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے
کہ کثرت و شہرت کے لحاظ سے ان کا زمانہ علماء و مشائخ امت کا سب
سے بڑا مجمع و مادیٰ ہوتا ہے اور آبادیوں کی آبادیاں اصحاب علم
و پیشوائی سے بھری نظر آتی ہیں، تاہم مقام عزیمت دعوت و قیام ہدایت
کی ان میں سے کسی کو بھی توفیق نہیں ملتی۔ کوئی دامن رخصت میں پناہ
لیتا ہے، کوئی گوشۂ انزوا و انقطاع میں صرف اپنی عافیت و حفاظت
ڈھونڈھتا ہے کوئی راہ میں فتنہ و فساد کا شور سن کر صرف اسی کو کافی
سمجھ لیتا ہے کہ اپنا دروازہ بند کر لے، کسی پر اضعف الایمان کا درجہ

مقامِ دعوت و تبلیغ حق ہے کہ اسی وادی فصل اور عقبۂ آزمائش میں اصحاب طریق کے ادبار و اقدام کا فیصلہ ہوتا اور مدارج ایمانیہ و مراتب علمیہ و عملیہ کے جوہر کھلتے اور امتیاز پاتے ہیں یرفع اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات[1]

در مدرسہ کس را نرسد دعویٰ توحید
منزل گہ مردانِ موحد سرِ دار است

پس پہلا درجہ ہر حال میں "السابقون السابقون" و "منفقون الاولون" و "اسبقون بالخیرات" و "مجاھدون بالعمل والجوارح" کا ہے جو جماعت "مقتصد" پر بھی شرف و مزیت رکھتے ہیں، اور ضعفاء طریق تو ان کے جولان کمال کی گرد و غبار بھی نہیں پا سکتے اور پھر جس طرح ہر قسم و جماعت میں حسب حال و استعداد فرق مراتب و مدارج ہوتا ہے، اسی طرح سابقون بالخیرات کے بھی مختلف مراتب و مقامات ہیں اور کتاب و سنت نے ان کے حالات و علائم بتلائے ہیں۔ ازانجملہ سب سے اعلیٰ و اشمل طبقہ ان اخص الخواص نفوسِ مزکیّٰ کا ہے جن کو قائد توفیقِ الٰہی و سائق فیضان ربانی عز اسمہٗ امور کے لئے چن لیتا ہے کہ :- وان ذالک لمن عزم الامور اور جن کا نور علم و عمل مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ اور جن کا قدم طریق منہاج نبوت پر واقع ہوتا ہے۔ انہی افراد خاصہ کو حدیث بخاری میں محدث (بالفتح) کے لفظ سے تعبیر فرمایا اور یہی مورد

---

[1] تم میں جو ایمان لائے ہیں اور علم کی دولت پا چکے ہیں، خدا ان کے درجے بلند کرے گا۔

ہی پر قانع نہ ہو جائے کہ خود نہیں ڈوبا، کیونکہ یہ تو ضعف و بیچارگی کا سب سے آخری درجہ ہے، فضیلت و کرامت اس میں کیا ہوئی؟ بلکہ ہر وجود کا ڈوبنا اس کے لئے ماتم اور ہر قدم کی ٹھوکر اس کے لئے موت ہو۔ جب کہ دنیا اس کو سب سے بڑی برائی سمجھ رہی ہو کہ خود کنارے پر بچ جائیں، تو وہ بتلا دے کہ خود بچنا نہیں بلکہ ڈوبتے ہوؤں کو بچانے کے لئے سمندر میں کود پڑنا بڑائی ہے، اور جب کہ لوگ اپنے اپنے دروازوں کو بند کر رہے ہوں تاکہ راہ کے فتنہ و فساد سے محفوظ ہو جائیں، تو وہ اپنا دروازہ کھول دے اور دکھلا دے کہ بند کر کے چھپ رہنے میں فضیلت نہیں ہے بلکہ کھول کر باہر نکلنے میں، اور اگر باہر امن نہیں ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ دروازہ کھولنے کا اصلی وقت یہی ہے نہ بند کرنے کا۔ مقام عزیمت و رخصت کا یہی وہ فرق ہے جو ایک صاحب دل نے خانقاہ کے گوشۂ عزلت سے نکل کر شیخ شیراز کو بتلایا تھا ؎

گفت آن گلیم خویش بدر میبرد ز موج
وین سعی می کند کہ برآرد غریق را

تو اس وقت ایسا ہوتا ہے کہ سنت الٰہی اپنی عادت جاریہ کے مطابق قیام حق و دفع باطل کے لئے سرگرم انبعاث و ظہور ہوتی ہے، اور توفیق الٰہی اپنے کسی اصلح و اشمل بندے کے قلب کا عزیمت و دعوت کے لئے انشراح کر دیتی ہے اور اس کے قدم طریق کو منہاج

تنزل و تسفل اس طرح طاری ہو جاتا ہے کہ زبان کو یکسر گنگ اور دست قلم کو یک قلم شل پاتا ہے، اور کسی کو نفس خادع اور خاطر فاسد ضلالت اجل و نفاق میں مبتلا کر کے سرگرم دنیا پرستی و دین فروشی کر دیتا ہے۔ غرض کہ سب کے سب یا ناچار مقام رخصت ہوتے ہیں یا درماندۂ ضعف و بیچارگی، اور یا مدہوش غفلت و ہوا پرستی، اُن میں سے ایک حصہ غالب تو علماء سوء اور دعاۃ فتن و منکرات کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے علماً و عملاً۔ اور جو جماعت علماء حق کی باقی رہتی ہے، وہ ضعف کدۂ رخصت سے قدم باہر نہیں نکالتی، اور حق کی بڑی سے بڑی بات اور تقویٰ و طہارتِ نفس کی بڑی سے بڑی فضیلت یہ سمجھی جاتی ہے کہ اپنے قدم کو لغزش نہ ہو، اور جب کہ ایک دنیا امواج ظلمت و فساد میں ڈوب رہی ہے تو ہم کنارہ سلامتی پر قدم جمائے باقی رہ جائیں۔ گویا ایمان کا جو سب سے ادنیٰ اور نچلا درجہ عامہ ناس اور ضعفاء عمل کے لئے تھا، وہی خواص امت اور ہداۃ و مرشدین ملت کے لئے بلندی و عروج کا سب سے اونچا مقام ہو جاتا ہے، اور سب سے بڑا متقی الشان وہ سمجھا جاتا ہے جس کے قدم "جہاد بالقلب" کی پائیں بساط سے پیچھے نہ ہٹیں، لیکن کوئی نہیں ہوتا جس کا عزم ایمانی توقف و سکون کی جگہ طالب اقدام و سبقت ہو، جو اپنے نفس کی نجات کی جگہ جماعت و امت بلکہ نوع وارض کی نجات کا عشق رکھتا ہو، جس کا حوصلہ کار اور عزم راہ صرف اتنے

باب

یہ جو تم ہر عہد ظہور اصلاح و دعوت میں دیکھتے ہو کہ ایک طرف تو ہزاروں علمار ملت اور ارباب زہد و طاعت موجود ہوتے ہیں، درس و تعلیم علوم، ہنگامۂ مجالس و مواعظ، غلغلۂ اذکار و اشغال صوامع و زوایا، اور زمزمۂ و طنین تسبیح و تہلیل مساجد و معابد میں بظاہر کسی طرح کی کمی نہیں نظر آتی، خانقاہوں میں مجاہدات و ریاضات کے حلقے قائم اور صحن مساجد میں تلاوت قرآن و وظائف و اوراد کی صدائیں سر گرم ہوتی ہیں، اور:

امّا الخیام فانہا کخیامھم[1]

کا پورا عالم نظر آتا ہے، لیکن ساتھ ہی دوسری طرف۔

---

[1] خیمے تو انھیں کے خیموں جیسے ہیں۔

نبوت پر ثابت و مستقیم فرما دیتی ہے۔ وہ اپنے عہد کے تمام اصحاب علم و فضیلت اور ارباب صوامع و مدارس کو تنگنائے رخصت و ضعف میں پیچھے چھوڑ کر منزلوں آگے نکل جاتا ہے۔ فضاء علو و رفعت اس کو اپنی طرف کھینچتی اور سماء کمال و کرامت اپنی ساری بلندیوں کے ساتھ اس کے استقبال کے لئے دوڑتا ہے، گویا آسمان اس کے لئے اترا آتا ہے۔ اور زمین اس کو خود بخود اچھالنے لگتی ہے۔ اس کی ہمت رفعت طلب اور اس کا حوصلہ متصاعد و متعارج کسی بلندی پر بھی نہیں رکتا، اور اونچی سے اونچی بلندی کو بھی حضیض تسفل و تنزل سمجھتا ہے مقامِ عزیمتِ دعوت کی جس بلندی تک بڑے بڑے کار فرمایان عہد کی نظریں بھی نہیں اٹھ سکتی تھیں اور ضعفاء زمان و بیچارگا رخصت کے وہم و گمان کو بھی اس تک بار نہ تھا، اس کا شہباز ہمت اور سیمرغِ عزم اس کی چوٹیوں پر بھی جا کر دم نہیں لیتا اور سرگرم بال افشانی و ہموارہ صفیر زنان بلند پروازی رہتا ہے۔ ولسان حالہ لینشد بھذا البیت۔

بال بکشا و صفیر از شجر طوبےٰ زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسے

گنجائش باقی نہیں رہتی۔ راہ عمل کا ہر تنکا ان کے لئے پہاڑ ہو جاتا اور جادۂ ابتلا کا ہر کانٹا تیر و خنجر بن کر ان کو ڈراتا اور سہاتا ہے۔ وہ آنکھیں جن میں غم نفس اور ماتم دنیا کے لئے آنسوؤں کے دریا بند ہوتے ہیں، حق کی غمگینی اور ملامت کے ماتم کیلئے ایک قطرۂ اشک بھی نہیں رکھتیں اور جن کے دلوں میں عشق ذات اور محبت اہل و عیال کے لئے ایک عالم شورش اور طوفان اضطراب مخفی ہوتا ہے، اس میں اللہ اور اس کے کلمۂ حق کے عشق کے لئے درد کی ایک ٹیس اور غم کی ایک چبھن بھی پیدا نہیں ہوتی عین اسوقت جب کہ زاہدانِ شب زندہ دار راتوں کو اٹھ اٹھ کر تسبیح ہزار دانہ کو گردش دیتے ہیں۔ تو لاکھوں بندگان الٰہی مظلومیت کی گرد و خاک پر لوٹتے اور تڑپتے ہیں، اور کلمۂ حق کی بیکسی و بیچارگی سے "الغیاث، الغیاث! اعینونی یا عباد اللہ! اعینونی یا عباد اللہ!" کے نالہ و بکا کی صدائیں اٹھتی ہیں، اور جب کہ حلقۂ مدارس و مجامع تعلیم میں کتب فقہ کے ابواب قضا و ولایت کے نکات و دقائق حل ہوتے اور صحائف حدیث کے ابواب اعتصام بالسنت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی شرح و تفسیر میں مدعیان فضل و کمال اپنا اپنا جوہر و تبحر دکھاتے اور معارکِ مباحث و مطالب سر کرتے ہیں، اور مجالس و محافل وعظ میں غلغلۂ اعلو او تذکروا ہیم بلند ہوتا اور سامعین کے سروں کو جنبش میں اور دلوں کو شورش میں لاتا ہے، تو عین اسی وقت ظلم و طغیان کے غلبہ و قہر سے ارض الٰہی کا ایک

لے پناہ! پناہ! اے بندگان خدا میری مدد کرو! اے بندگان خدا میری مدد کرو۔

وادیٔ نساء الحی غیر نسائہا[1]

کا یہ حال ہوتا ہے کہ ظلم و طغیان کا طوفان ہر چہار جانب سے محیط، شر و فساد کا ایک عالم رستخیز برپا، ظلمتِ بطلان و فتن ہر طرف چھائی ہوئی، نورِ حق و صداقت مستور و محجوب، بدع و محدثات کی گرم بازاری، منکرات و سیآت کی مقبولیت و طلب کا دور دورہ، اہل حق و صدق مظلوم و مقہور، خدا کی زمین پر اس کے کلمۂ حق و عدل کا کہنا بمنزلۂ جرم اور ظلم و عدوان کے لئے اجر و بخشش، اعمال و طاعات کی حقیقت یکسر مضمحل اور افسردہ اور روح صلاح و خیر سے تمام اجسام و قوالب خالی!

یہ سب کچھ علانیہ سورج کی روشنی میں ہوتا ہے۔ نہ مدرسوں میں شور مچانے والے اندھے نہیں ہو جاتے، اور نہ خانقاہوں میں چھپنے والے بہرے ہوتے ہیں۔ سب کے سر کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور اوپر کے کان کھلے، لیکن بحکم فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور[2] دل کی بصیرت اس طرح اندھی اور عبرت کے کان اس طرح بہرے ہو جاتے ہیں کہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے ہیں مگر ان کے لئے دیکھا ہوا ان دیکھا اور سنا ہوا ان سنا ہو جاتا ہے۔ نفس کا عشق اور زخارف تمتعات دنیوی کی شیفتگی اس طرح ان کے جسموں میں حلول کر جاتی ہے کہ ہمت کی روح اور عزم کی قوت کے لئے کوئی

---

[1] لیکن مجھے قبیلہ کی عورتیں ان کی سی عورتیں نہیں معلوم ہوتیں۔

[2] وہ آنکھوں کو نہیں بلکہ ان دلوں کو اندھا کر دیتی ہے جو سینوں میں ہیں۔

میں سے ہوگیا

من لم یکن للوصال اھلا
فکل طاعاتہ ذنوب[1]

عرض کہ اگرچہ دنیا بظاہر علم و فضیلت سے لبریز ہوتی ہے اور بڑے بڑے اصحاب طنطنہ و شہرت و ارباب فخفخہ و عظمت موجود ہوتے ہیں مگر کسی کو اس کی توفیق نہیں ملتی کہ اپنے عہد و دور کی طلب دعوت اور سوال قیام ہدایت پر مردانہ وار لبیک کہے، اور ظلمت کدۂ ضعف و واماندگی سے نکل کر راہ عزیمت دعوت میں قدم رکھے" اور اگرچہ دروازۂ سعادت الٰہی باز اور خزائن رحمت و نصرت ربانی ہموارہ در صدد بخشش و لیغما ہوتے ہیں مگر سینکڑوں ہزاروں علماء عہد اور اصحاب خوانق و صوامع میں سے کسی کو بھی اس عہد کے احیاء و تجدید اور طائفہ منصورہ "من یجدد لہا دینہا" میں داخل ہونے اور جماعت یحبہم و یحبونہ[2] میں معدود و محشور ہونے کی توفیق نہیں ملتی: تا آنکہ پردہ ظلمت چاک ہوتا اور یکایک صبح ہدایت و سعادت مشرق تجدید و انبعاث سے عالم افروز و جہاں تاب ہوتی ہے۔ تو اس وقت تم دیکھتے ہو کہ جس راہ میں قدم رکھنے سے ایک عالم درماندہ و ناچار تھا اچانک ایک مرد ہمت اٹھتا ہے اور نہ صرف قدم رکھتا ہے بلکہ دوڑتا ہوا

---

[1] جو وصل کا اہل نہیں، اس کی تمام اطاعتیں گناہ ہیں۔

[2] وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔

ایک کونہ کھینچتا اور چلاتا ہے، پرستاران حق کی غربت ہر طرف کنج بیٹھی اور ماتم کرتی ہے، خدا کی زمین کے گوشے گوشے سے "واشریعتا! وادینا! وامصیبتا! واویلا!" کی فریادیں اٹھ اٹھ کر آسمان تک جاتی ہیں، اور فضائے کائنات کا ایک ایک ذرہ داعی حق کے لئے روتا اور قائم ہدایت کو ڈھونڈتا۔ اور پکارتا ہے ؎

یا ناعی الاسلام! قم وانعہ
قد زال عرف بدا منکر![2]

لیکن نہ تو عباد و زہاد وقت کو تسبیح ہزار دانہ کی گردش مہلت سماعت دیتی ہے اور نہ ہنگامہ سازان مدارس و مجامع کو اساطیر جدل وخلاف و دساتیر قیل وقال کا شور و غوغا فرصت بصارت اصل حقیقت سے اس درجہ بعد و ہجر طاری ہو جاتا ہے کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی احیاء شریعت و تجدید ملت کا خطرہ نہیں گذرتا اور کوئی نہیں سوچتا کہ سارے کارخانے اور ہنگامے تو اس لئے تھے کہ لتکون کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا سو جب وہی سرنگوں ہو گیا تو پھر ان اجساد بے روح و قشور بے مغز کی پرستش کیا سود مند علم و عمل ہو سکتی ہے؟ اور جب روح امت مضمحل ہو گئی اور حق کی جگہ باطل کی اور سنت کی جگہ بدعت کی حکومت چھا گئی تو پھر یہ تمام باتیں کب مثمر و منتج ہو سکتی ہیں؟ بلکہ ان کا شمار تو اب موانع و مہالک راہ

---

[1] آہ شریعت! آہ دین! آہ مصیبت! آہ ہلاکت!

[2] اے اسلام پر ماتم کرنے والے اٹھ اور اس پر ماتم کر، نیکی چلی گئی اور برائی شروع ہوئی تھے تاکہ خدا کا بول بالا ہو۔

تعادلہا منزلۃ و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم۔[1]

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدّعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

---

[1] یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے بخشے، اللہ بڑے فضل والا ہے۔

ـــ ـــ ـــ

چلا جاتا ہے۔ راہ کی وہ مشکلیں اور صعوبتیں جو ضعفاء عہد کے لئے مصیبتوں کا پہاڑ اور ہیبتوں اور دہشتوں کی گھاٹیاں تھیں، اور جن کے وہم و تصور سے بیچارگان وقت کی ارواح پر ایسی دہشت و ہیبت طاری ہوجاتی تھی۔ کانھم یساقون الی الموت وھم ینظرون[1] تو وہ سب اس کے جولان قدم کے لئے ایک مشت غبار اور ایک تودۂ خس وخاشاک سے زیادہ حکم نہیں رکھتیں۔ سب دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں اور وہ بڑھ کر دعوت عزیمت و ہدایت عامہ کا باب مسدود کھول دیتا ہے اور اس کی زبان ہمت و مقال فتوت اس ترانہ رجز سے زمزمہ ساز بزم عالم و عالمیان ہوتی ہے ؎

تاب یک جلوہ نیاورد نہ موسیٰ دنہ طور

ایں دلم ہست کہ زیں گونہ ہزاراں دیدہ است

اگرچہ اس عہد میں ہزاروں مدعیان کار موجود ہوں مگر اس فضیلت خاص میں اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہوتا۔ صرف اسی کو اس عہد کی اقلیم ہدایت کی سلطانی و فرماں روائی پہونچتی ہے اور صرف وہی اپنے زمانے کا کلید بردار خزائن برکات و فیضان سماویہ ہوتا ہے تمام اصحاب طریق ناچار ہوتے ہیں کہ اپنے اپنے چراغ اسی مصباح ہدایت سے روشن کریں، اور تمام رہروان جادۂ مقصد مجبور ہوتے ہیں کہ اسی کے کاروان و قافلہ کرامت کی آواز درا پر اپنے اپنے قدم اٹھائیں۔

وھذہ منزلۃ جلیلۃ ورتبۃ عظیمۃ لا تساویھا مزیۃ ولا

---

[1] گویا وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اس حالت میں کہ اسے دیکھتے ہیں۔

علی الحق کی ضرور باقی رہتی ہے۔ اور یہ اس عزیز العلیم کی تقدیر اور فطرت کائنات کی داعیہ و مقتضا کے خلاف ہے کہ کوئی زمانہ اور کوئی گوشہ اہل حق سے بالکل خالی ہوجائے کیا نہیں دیکھتے کہ انبیاء کرام کے ظہور کے وقت بھی باوجود ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس[1] کے ایک جماعت اہل حق کی ضرور باقی رہتی تھی اگرچہ ان کا ظہور کرۂ ارضی کے کمال بغی و فساد و منتہی مرتبہ یاس و قنوط کی حالت میں ہوا کرتا تھا؟ خود قرآن حکیم نے جابجا اس کا اعتراف کیا ہے۔ فلولا کان من القرون من قبلکم اولوا بقیۃ ینھون عن الفساد فی الارض الا قلیلا ممن انجینا منھم اور سورہ مائدہ میں کہ باوجود علماء یہود کی سخت و ہمہ گیر ضلالت و مغضوبیت کے ایک قلیل جماعت ان میں بھی داعیان حق و آمرین بالمعروف کی برابر موجود رہی۔ لولا ینھاھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت[2] اور آل عمران میں ہے۔ لیسوا سواء من اھل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون آیات اللہ اناء اللیل وھم یسجدون۔ یؤمنون باللہ و الیوم الاخر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولئک من الصالحین[3] اور اسی طرح غالباً سورہ

---

[1] لوگوں کے کرتوت سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا۔ [2] اگر انھیں ربانی اور احبار بری بات کہنے اور حرام کھانے سے نہ روکتے۔ [3] برابر نہیں اہل کتاب میں وہ جماعت جو راتوں کو آیات الٰہی تلاوت کرتی اور سربسجود رہتی ہے۔ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے۔ بقیہ بر صفحہ ۲۴

بابؔ

اور یہ جو کہا کہ ہر عہد میں اللہ تعالیٰ کسی ایک بندے یا چند بندوں ہی کو مقام عزیمت دعوت کے فتح بابؔ کی توفیق دیتا ہے اور وہ اپنے دور کے خزائن فیض و برکات کا صاحب مفاتیح ہوتا ہے، تو اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اس عہد میں بجز ایک زبان کے کلمۂ حق کسی دوسری زبان پر جاری نہیں ہوتا، یا اس عہد میں اور کوئی دعوت و تبلیغ حق کے لئے ساعی و مجاہد نہیں ہوتا۔ کیونکہ بحکم "لا یزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم حتی یاتی امر اللہ وھم غالبون"[1] (او کما قال) سخت سے سخت عہد شر و فساد اور ظلمت و ضلالت میں بھی ایک جماعت اہل حق و ظاہرین

---

[1] میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، انھیں کسی کی بے وفائی اور مخالفت نقصان نہ پہونچا سکے گی۔ وہ برابر غالب رہیں گے یہانتک کہ قیامت آجائے گی۔

عہد تھا، یہ بات نہ تھی کہ داعیان حق بکلی معدوم ہو گئے ہوں۔ ایسا ہونا سنت الٰہی کے خلاف ہے اور اس کی مزید تشریح کا یہ موقع نہیں۔

پس جب انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کے ظہور کے زمانوں میں بھی داعیان حق و آمرین بالمعروف و سارعون فی الخیرات سے قوم و ملک بالکل خالی نہیں ہو جاتا، اور کچھ لقایا ارباب حق کا موجود رہتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ان کے اتباع و ذریات اور ورثاء و نقباء کیلئے کہ اصحاب عزیمت دعوت و مجددین امت انہی سے عبارت ہیں، ایسا ہونا کیوں ضروری ہو؟

یہ اصل الاصول کسی حال میں بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ دعوت و قیام حق اور اصلاح و تربیتِ امم کا اصل سرچشمہ و مرکز مقام نبوت ہے، اور ہر عہد و دور میں اس کا جس قدر بھی ظہور ہوتا ہے، وہ سب اسی مقام سے ملحق و متصل، اور سب کی روشنی اسی شمسِ نظام و قوام عالم سے مکتسب و مستنیر، اور تمام انہار فیضان و سعادت کیلئے یہی سلسبیل نبوت، مخرج و منبع کا حکم رکھتی ہے۔ عینا یشرب بہا عباد اللہ یفجرونہا تفجیرا۔ اور کوئی قائم حق و داعی اصلاح و کاشف حقائق فوز و نصرت نہیں پا سکتا جب تک اس کا قدم منہاج نبوت پر واقع نہ ہوا ہو اور اس کے تمام اعمال متاسی باسوۂ حسنہ نبوت و متبع بہ سنت و حکمت رسالت نہ ہوں، اور اس راہ تاسی و تشبہ بالانبیا میں جس داعی حق کا قدم جس حد تک پہونچتا ہے، اسی حد و مقام

مائدہ میں ایک جگہ خاص طور پر علماء یہود کے شر و فساد کا ذکر کر کے فرمایا منہم امۃ مقتصدۃ وکثیر منہم ساء ما یعملون[1]۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اقوام و ملل کے سخت سے سخت دور ظلمت و فساد میں بھی ایک جماعت داعیان حق کی ضرور باقی رہتی ہے۔ اور گو علماء اہل کتاب کی گمراہی کمال مرتبۂ بغی و عدوان تک پہونچ چکی تھی تاہم ان میں بھی ایک جماعت قلیلہ ایسی موجود تھی جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کوشاں تلاوت کتاب اللہ میں سرگرم اور خیرات و طاعات میں تیز گام تھی اور قرآن حکیم ان کو صالحین میں سے شمار کرتا ہے اور اسی طرح بخاری کی روایت میں ہے۔ فمقتہم عربہم وعجمہم الا بقایا من اھل الکتاب[2] یعنی اسلام کے ظہور کے وقت تمام عرب و عجم اپنے کفر و ضلالت کی وجہ سے مستحق غضب و عقوبت الٰہی ہو رہا تھا مگر ایک چھوٹی سی جماعت جو اہل کتاب کے اہل حق کا بقایا تھی۔ اور مختلف گوشوں میں مٹی مٹائی اور بچی بچائی باقی رہ گئی تھی[3] اس سے واضح ہوا کہ خاتم الادیان کے ظہور کے وقت بھی کہ کرۂ ارضی کی ضلالت عامہ کا سب سے بڑا تاریک

بقیہ حاشیہ صـ ۲۳۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتی ہے، نیکیوں میں پیش قدمی کرتی ہے، یہی لوگ صالحین میں سے ہیں۔ [1] ان میں ایک جماعت اصحاب اقتصاد کی ہے اور بہتیرے ان میں ایسے ہیں جن کے عمل نہایت برے ہیں۔

[2] تمام عرب عجم سے نفرت کی، الا اہل کتاب کے کچھ بچے کھچے لوگوں کے۔

[3] یہاں ایک طویل حاشیہ تھا۔ تذکرہ" میں دیکھو۔

عباراتنا شتی وحسنک واحد[1]

ایک ہے اور کوئی نہیں کہ پردہ بر انداز ظواہر و الفاظ و رسوم ہو، اور نزاع صورت پرستاران معنی نا آشنا ختم کردے۔

برافگن پردہ تا معلوم گردد!
کہ یاراں دیگرے را می پرستند!

جب دعوت و اصلاح امت کا سر چشمہ واصل مقام نبوت ٹھہرا، اور تمام عوازم امور دعوت اسی سے ماخوذ اور اسی کے اسوہ سے متاسی، تو ضرور ہے کہ عالم تجدید و احیاء شریعت کے بھی تمام کاروبار اسی اسلوب و نہج پر واقع ہوں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اصول و اساسات سے لے کر جزئیات و فرعیات تک ٹھیک اسی مقام کے حالات و منازل سے متشبہ و متخلق بل کالظل و العکس ظہور میں آئیں۔ اور منجملہ سنن و نوامیس انبعاث نبوت کے یہ ہے کہ دعوت انبیاء کے ظہور کے لئے حق و ذکر حق کا بالکل مفقود و معدوم ہو جانا ضروری نہیں، بلکہ اس قدر بس کرتا ہے کہ سخت درجہ اضمحلال اور پژمردگی اس پر طاری ہو جائے، اور داعیان حق کی جماعت قلیل و مغلوب ہو۔ بجز یکہ چند منتشر و نادر افراد کے سوا ان کی کوئی ہستی اور جماعت باقی نہ رہے، برخلاف اس کے داعیان فساد و ضلالت کا ہر طرف دور دورہ ہو۔ اور وہ جو ایک چیز ہے، یعنی صرف حق کا وجود ہی نہیں بلکہ حق کا قیام و ظہور و نفوذ اور مجرد امر دعوت ہی نہیں بلکہ دعوت کا نظام و قوام اور محض دعوت افراد و جماعات نہیں بلکہ دعوت امت و ملت، تو اس کا

[1] تذکرہ ص ۱۴۹ حاشیہ عتہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

کے مطابق کم وبیش ثمرات و برکاتِ ظاہر و باطن حاصل ہوتے ہیں۔ اور جس طرح وہاں اختلاف مدارج و مراتب بلحاظ حالات و مقتضیات وقت اور فضلنا بعضہم علی بعض[1] کا معاملہ واقع ہوا، اسی طرح تبعین و ورثا انبیاء میں بھی فضلنا بعضہم علی بعض اور اختلاف مراتب و ثمرات و مفاضلہ حالات و برکات ظہور میں آیا۔ یہی حقیقت شیخ اکبر کی اصطلاح میں "فصوص" اور بعض اصحاب اشارات کی اصطلاح میں "نسبت" کے لقب سے ظاہر کی گئی ہے کہ کسی واصل باللہ کا قدم تاسی و اتباع حسب استعداد و داعیات وقت کسی ایک نبی کی منہاج پر واقع ہوتا ہے اور کسی کا کسی دوسرے نبی کی منہاج پر، اور اس کو بوجہ غلبہ ما بہ الاختصاص اس نبی سے ایک خاص طرح کی نسبت حاصل ہو جاتی ہے

ع وللناس فی ما یعشقون مذاہب[2]

اور پھر یہ بھی ہے کہ کسی کا قدم جامعیت فیض محمدی کا تعاقب کرتا اور مقام جامعیت کبریٰ اور

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کے اکتساب فیضان سے ایک کیفیت بوقلمون اور جلوۂ حسن صد رنگ و گوناگوں پیدا کرتا ہے ساری نزاع مصطلحات و الفاظ کی ہے حقیقت بحکم :-

---

[1] ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے [2] عشق میں لوگوں کے اپنے اپنے طریقے ہیں۔
[3] ہماری بولیاں مختلف ہیں۔ مگر تیرا حسن ایک ہی ہے۔

ٹوک دینا بھی نہی عن المنکر ہے، تمام شہر کو برائی سے باز رکھنے کیلئے
کھڑے ہو جانا بھی نہی عن المنکر ہے اور پھر عالم تقیید و تحدید سے آزاد ہو
کر اپنے تمام عہد و دور کے شر و فساد کو دور کرنے کے لئے بلا امتیاز قرب و
بعد و یمین و یسار غلغلۂ عمل بلند کرنا بھی نہی عن المنکر ہے۔ اسی طرح مسلمانوں
کے راستہ سے پتھر ہٹا دینا بھی ایمان کی شاخ اور عمل حق، مگر تمام امت کی
راہ سے سنگ بطلان و فساد دور کر دینا عمل ایمان و اقدام حق ہے، پھر کیا
ان تمام مراتب کا ایک ہی حکم ہو سکتا ہے؟ کجا وہ مقام ارفع و اعلیٰ جہاں
ایک عالم و امت کی اصلاح کے لئے قدم اٹھائے جائیں؟ اور کجا وہ تنگ
نائے ضعف جہاں صرف اپنے پڑوسی کی اصلاح ہی پر قناعت کرلی جائے؟
اور اگرچہ وکلا وعد اللہ الحسنیٰ۔ اصلاح دونوں ہیں، اور دونوں کے لئے
اجر۔ لیکن پہلا منصب نبوت کی شاخ، اور دوسرا افراد امت میں سے
ایک فرد مومن صالح کا مرتبہ اور بس! یا پھر ایسا ہوتا ہے کہ دعوت کی
صدائیں بڑی ہی دھیمی اور پست ہوتی ہیں۔ ان میں وہ گرج اور کڑک
نہیں پائی جاتی جس کے بغیر سرشاران غفلت چونک نہیں سکتے، اسلئے
گو اٹھتی رہتی ہیں لیکن اپنے عہد کو چونکا دینے کا شرف حاصل نہیں کر
سکتیں۔ یا ایسا ہوتا ہے کہ نفوذ دعوت و سریان امر کے لئے ضروری ہے
کہ دعوت حق میں ایک ایسی ہمہ گیر جاذبیت و جالبیت ہو جو ایک
عالم کے دل لبھا لے اور ایک دنیا کو اپنا فریفتہ و دلدادہ بنا لے حتیٰ کہ
سامع و شاہد کی طاقت سے باہر ہو کہ اس کی کشش سے اپنے آپ کو

کارخانہ بالکل درہم برہم ہوجائے۔ یہی غربت و اقلیت حق ہے جو بسبب کمال ضعف و بیچارگی و عدم حصول نتائج مطلوبہ کار معدوم کا حکم رکھتی ہے۔ اور جب غایت درجہ تک پہونچ جاتی ہے تو ظہر الفساد فی البر والبحر سے تعبیر کی جاتی ہے۔

پس جب انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت اصلیہ و اساسیہ کا یہ حال ہوا، اور ہنگام ظہور ایک جماعت قلیلہ دعات حق کی موجودگی ان کے مقام دعوت و تبلیغ کی اساسیت و اولیت کے منافی نہ ہوئی، تو ظاہر ہے کہ مجددین امت و نقباء و ورثاء نبوت کے مرتبہ تجدید کے لئے یہ امر کیوں منافی ہو؟

اس عالم کے معاملات بھی تبعاً و فرعاً ویسے ہی واقع ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ اس عہد میں حق کی دعوت و تبلیغ کرنے والے بالکل نہ ہوں، یا نفس دعوت میں ان کا اور کوئی سہیم و شریک نہ ہو۔ ہوتے ہیں، لیکن یا تو ان کی جماعت بہت ہی قلیل و درماندہ اور رجال نو و مبتلا و گم ہوتی ہے، یا دعوت حق کے اعمال بغایت محدود و محصور ہو جاتے ہیں۔ یعنی ارباب دعوت کی پستی ہمت، بلندی و وسعت میدان عمل سے گھبراتی اور اس کے لئے اپنے کو درماندہ پاتی ہے اور محض ایک محدود دائرۂ دعوت پر قناعت کر لیتی ہے۔ حالانکہ ہر چیز کی طرح اس کے بھی مراتب و مدارج، اور گو ہر مرتبہ اس میں داخل لیکن ہر مرتبہ کا حکم دوسرے سے مختلف۔ اپنے پڑوسی کو برائی کرتے دیکھ کر

صحابہ و تابعین اشارہ کرکے کہہ دیا کرتے تھے کہ "وذالک من عمل نبوۃ" یا اس سے بھی بڑھ کر مصیبت یہ کہ گو دعوت الی الحق کے لئے قدم اٹھا مگر سنت کی روشنی کی جگہ بدعت کی اندھیاری چھا گئی، یا اقلاً طریق کار بدعت کی آمیزش سے محفوظ نہ رہا، اور اگر اللہ تعالیٰ نے فہم واسع و سلیم عطا فرمایا ہے تو سمجھ لو گے کہ یہ آخری سبب بڑوں بڑوں کے لئے مزلت اقدام ہوتا آیا ہے۔

اور ایک علت تو یہ ضیاع قوائے عمل و کاروبار دعوت و تبلیغ کی صدیوں سے یہی ہوتی آئی ہے۔ یا دعوت و تبلیغ کے بلند مقامات کی طرف ایسے نو آموزان راہ اور خام معتزان کار نے قدم اٹھایا جو گو اپنے ولولوں اور نیتوں کے لحاظ سے مستحق تحسین ہیں لیکن اس مقام کے لئے جس قوت علمی و عملی کی ضرورت ہے اور جس ثبات قلب و رسوخ عزم کی، وہ ابھی ان سے منزلوں دور رہے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یا تو اول قدم ہی میں ٹھوکر لگتی ہے، یا پہلے ہی تیر پر میدان کارزار کو پیٹھ دکھلا دیتے ہیں، حالانکہ یہ وہ راہ ہے کہ یہاں کی ایک ادنیٰ لغزش بسا اوقات ہزاروں انسانوں کی مجموعی معصیت و ذنوب سے بڑھ کر مضرت رکھتی ہے، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کو تلووں سے کانٹا نکالنے کی بھی مہلت نہیں دی جاتی، کیونکہ ممکن ہے اتنی ہی دیر میں قافلۂ امید قرنوں بلکہ صدیوں کی مسافت آگے نکل جائے، اور ایک لمحہ کی غفلت برسوں کے لئے یاس و ماتم کا سامان کردے۔ ملک قمی اسی حقیقت کو شاید نادانستہ کہہ گیا، فیضی نے اس کے تمام کلام میں سے یہی ایک شعر منتخب کیا اور سبحان اللہ کہ اپنے حسن انتخاب اور ذوق سلیم کا کیسا مرقع ثبت کیا

بچا سکے۔ بغیر اس خاصہ کے دعوت کبریٰ قائم و نافذ نہیں ہو سکتی، لیکن ایسا ہوتا ہے کہ دعوت حق کی صدائیں تو اٹھتی ہیں۔ مگر اس جاذبیت معنویہ سے محروم ہوتی ہیں اور اس لئے محبوب القلوب عالم نہیں ہو سکتیں۔ یا پھر ایسا ہوتا ہے کہ بمصداق خلطوا عملاً صالحاً واخر سیئاً[1] داعیان حق کا جو گروہ موجود ہوتا ہے ان کی دعوت ٹھیک ٹھیک نہج قویم و مستقیم پر نہیں ہوتی یعنی منہاج نبوت کے علوم و اعمال کو ان میں غلبہ و احاطہ حاصل نہیں ہوتا یا کتاب و سنت کی دعوت خالص و بے آمیزش کی حقیقت سے خالی ہوتی ہیں۔ پس اگرچہ اس لحاظ سے کہ اصلاً طلب حسنات و اصلاح اور قیام شریعت پر مبنی ہیں۔ وہ دعوت الی الحق و امر بالمعروف کے حکم میں داخل ہو جاتی ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس اعتبار سے کہ طرح طرح کی غلطیوں اور لغزشوں یا آمیزش ظلمت رائے و قیاس غیر صالح یا کوری بدعات و محدثات سے پاک و صاف نہیں ہیں، اپنا حکم و اثر کھو دیتی ہیں اور برکات نصرت و فوز حاصل نہیں کر سکتیں۔ مثلاً اصل کی جگہ کسی ایک ایسی فرع کی حفاظت کو عزیمت دعوت سمجھ لیا جو بوجہ فقدان و ضیاع اصل بالفعل ناقابل اعتنا تھی، یا سلسلہ سفر صحت تعین منازل و تقرر بدایت و نہایت کے ساتھ شروع نہیں کیا مثلاً جس منزل سے سفر کا آغاز ہونا چاہئے اس کو درمیانی سمجھ لیا کہ ان حقائق کا ادراک کا علم بلا مقام تشبہ بالانبیاء و تخلق باخلاق الاصفیاء کے حاصل نہیں ہو سکتا، اور یہی وہ غوامض اعمال نبوت ہیں جن کی طرف بعض

---

[1] ان کے عمل میں نیکی اور بدی دونوں مخلوط ہیں۔

دعوت کا۔ دونوں میں فرق و امتیاز ملحوظ خاطر رہے۔ پس اپنے عہد کا مجدد وہی وہ شخص یا وہ چند نفوس خاصہ ہوتے ہیں جو مجرد دعوت نہیں بلکہ عزائم اور دعوت کی راہ میں قدم اٹھاتے ہیں، اور قیام حق کا صور اس زور سے پھونکتے ہیں کہ یکایک فضاء ملت جنبش میں آجاتی ہے، اور تمام اموات غفلت اپنی اپنی قبروں کے اندر چونک اٹھتے، اور اٹھ کر دوڑنے لگتے ہیں گویا یخرجون من الاجداث کانھم جراد منتشر مھطعین الی الداع[1]

اور ذالک یوم الخروج کا عالم طاری ہوجاتا ہے یہی وہ مقام خاص ہے جو ہر عہد میں صرف ایک یا چند افراد عالیہ کے حصے میں آتا ہے، اور گو کاروبار دعوت سے معاملات رکھنے والے بہت سے موجود ہوں مگر اس عہد کے فتح باب اور سلطان و امر دعوت کی فضیلت ان کو نصیب نہیں ہوتی سب ناچار ہوتے ہیں کہ اس فاتح عہد اور عازم وقت ہی کے حلقہ اتباع و نیابت میں داخل ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ ان میں بعض افراد کسی خاص شاخ علم و عمل میں درجۂ بلند رکھتے ہوں، مگر اس معاملہ کے لئے وہ کچھ سودمند نہیں ہوتا اور فاتح دور کے آگے ان کو اطفال مکتب کی طرح زانوئے ادب و استفادہ تہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس عہد کے خزائن فیضان و برکات کی کنجی اس کے قبضے میں دے دی جاتی ہے۔ پس طالبین فیضان اس کے حلقہ ارادت سے الگ رہ کر کچھ نہیں پا سکتے۔ اگر کسی نے بطریق استراق سمع کوئی کلمہ حقیقت حاصل بھی کر لیا تو اول تو وہ ثمرہ

---

[1] منتشر ٹڈی دل کی طرح قبروں سے نکلیں گے گردنیں سیدھی کئے پکارنے والے کی طرف

دے گیا۔

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

واذا الہامات شعریۂ عرفی چہ ملیح ست ایں فرد دریں مقام

ہاں رہ عشق ست کج گشتن نہ دارد بازگشت
جرم را ایں جا عقوبت ہست و استغفار نیست

غرض کہ ایک چیز دعوت ہے، ایک عزیمت دعوت، اور ایک عزیمت دعوت کا درجہ تجدید و مقام قیام دعوت عامہ، اور ایک مقام اصلاح افراد کا ہے۔ ایک عائلہ و جماعت کا، اور ایک امت و نوع کا، سو اگرچہ دعوت موجود ہوتی ہے، مگر عزیمت دعوت مفقود ہو جاتی ہے، اور اگرچہ اصلاح افراد کا سامان ہوتا ہے مگر اصلاح امت کا کوئی سامان نہیں ہوتا، اگر چند اصحاب عزائم ہوتے بھی ہیں تو اسباب و موانع مذکورہ سے درجہ تجدید و کمال عزیمت دعوت تک ان کی رسائی نہیں ہوتی کاروبار دعوت کے کالبد و اشکال تو موجود ہوتے ہیں مگر روح فتح و نصرت مفقود ہو جاتی ہے۔ اسی لئے معاملہ تجدید و احیاء امت اپنے کشود کار کے لئے کسی مرد غیب کا منتظر ہوتا ہے ؎

عشق اگر مرد ست مردے تاب دیدار آورد
ورنہ چوں موسیٰ بسے آورد لبیار آورد

یہی وجہ ہے کہ جا بجا "عزیمت دعوت" کا لفظ بولا گیا نہ کہ مجرّد

سو اگرچہ بہار سعادت کا موسم سارے جہاں اور ساری زمین کے لئے موسم حیات و کامرانی ہے لیکن اس کی سب سے پہلی برکت اصحاب عزائم اور نفوس ذکیہ امت کے ریاحین قلوب ولباطین ارواح ہی سے بروزو ظہور کرتی ہے اور اگرچہ آفتاب فیضان الٰہی کی تجلی تمام بحر و بر کو ظلمت غفلت وبطالت سے نجات دلانا چاہتی ہے۔ مگر اس کی سب سے پہلی کرنوں کے درخشندہ و جہانتاب ہونے کا حق صرف انہی طبائع مستعدہ و قلوب صافیہ کو حاصل ہوتا ہے جنھوں نے اپنی استعداد و سربلندی و رفعت سے اکتساب اسفار ہدایت کے لئے اسبقیت و اولیت کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ موسم بہار ہر پھول کو لالی اور ہر پتی کو سبزی بخشے گا، اور صبح کی تجلی ہر ذرہ کو چمکیلا اور ہر آنکھ کو بینا بنا دے گی، مگر اس سے کیا ہوتا ہے؟ دیکھنا صرف یہ ہے کہ جس وقت باغ و چمن میں پھول کھلکھلا رہے تھے اور شاخیں ہنس ہنس کر جھوم رہی تھیں تو اس وقت اموات صحرا و گلخن کا کیا حال تھا؟ اور جس وقت دیواروں کی اونچی منڈیروں اور مناروں کی چوٹیوں کو صبح تجلی زیور طلائی پہنا رہی تھی تو اس وقت صحن مکان کے گوشوں اور رالواب و محاریب کے نیچے سونے والوں کا بھی اس فیضان اول میں حصہ تھا یا نہیں؟ تہ خانوں اور سردابوں کے بسنے والوں کا یہاں ذکر ہی نہیں کرنا چاہئے۔ ان کے لئے تو شاید و النہار اذا تجلٰے[1] کا وقت ہی روشنی کی پہلی کرن بہم پہنچائے۔ ورنہ والفجر اور والضحٰی کے مراتب

---

[1] قسم دن کی جب روشن ہو جائے۔

برکات نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو چونکہ عہد کی سلطانی فاتح و عازم دعوت ہی کو پہونچی ہے، اس لئے وہ بھی بالواسطہ اسی کے فیضان و بخشش میں شمار کیا جاتا ہے وقد احسن من قال۔

گرگفتہ ز عشق گہے حرف آشنا
آنہم حکایتیست کہ از من شنیدہ

قرآن حکیم نے ہدایت کو حیات ارض سے تعبیر کیا ہے اور ضلالت کو زمین کی موت سے، اور ہدایت خود زندگی ہے استجیبوا اللہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم[1] اور ضلالت موت ہے۔ وما انت بمسمع من فی القبور[2] اور اموات غیر احیاء[3] بہار کا جب موسم آتا ہے تو گو زمین کے ہر گوشہ کو روئیدگی و سرسبزی سے مالا مال کر دینا چاہتا ہے مگر سب سے پہلے اس کی آمد کی برکتیں باغ و چمن ہی میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور صبح کا طلوع اگرچہ دنیا کے گوشے گوشے کے لئے پیام نور ہوتا ہے مگر سورج کی پہلی کرنیں اونچی دیواروں اور بلند میناروں ہی پر چمکتی ہیں، گو بعد کو نچلے سے نچلے تہ خانے بھی روشن ہو جائیں گے یہی حال عہد ہدایت اور دور فیوض و برکات سماویہ کا بھی ہے۔ اس عالم میں بھی ہے خزاں و بہار کے موسم آتے ہیں، اور لیل و نہار کا اختلاف موجود ہے وما یعقلہا الا العالمون[4]

---

[1] خدا اور رسول کو لبیک کہو جب وہ تمہیں زندگی کی طرف بلائیں۔ [2] قبروں کے اندر کے لوگوں کو تو نہیں سنا سکتا۔ [3] زندہ نہیں، مردے ہیں۔ [4] صرف اہل علم ہی اسے سمجھ سکتے ہیں۔

تجدید ملت کے مرتبۂ خاصہ میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوا، اور صرف چند افراد عزائم ہی کی قسمت میں آیا۔ تو ان کے قدم ہمت نے علم و عمل کی دوسری شاخوں پر قناعت کرلی، یا اس راہ میں قدم بڑھانے کی جرأت ہی نہ کر سکے۔ عہد اوائل بنو امیہ میں، کہ ابھی ہجرت کی پہلی صدی بھی ختم نہیں ہوئی تھی کتنی بڑی جماعت اجلۂ صحابہ کرام اور ارکان بیت نبوّت و بقیۂ صالحۂ خیر القرون کی موجود تھی؟ اور کون ہے جو ان کی عظمت و شرف میں ایک لمحہ کے لئے بھی شک کر سکے؟ لیکن بدع و محدثات بنو امیہ کے مقابلے میں سرفروشانہ اقدام عظیمت و فتح باب مقاومت و ثبات فی الحق و العدل کا جو ایک مخصوص مقام تھا، وہ تو بجز حضرت امام حسین (علیہ و علیٰ آبائہ و اجدادہ الصلوٰۃ والسلام) کے اور کسی کے حصے میں نہ آیا۔ عبد الملک بن مروان کا زمانہ اجلۂ تابعین و حفاظ سنت و حملۂ علوم نبویہ سے معمور تھا، لیکن اتباع سنت و قیام حق کی راہ میں سو دُرّوں کی ضرب مردانہ وار برداشت کر لینے اور مبغوض متدعین آل مروان اور محبوب قلوب مومنین ہونے کا جو شرف سید التابعین حضرت سعید المسیب کے حصے میں آیا، اس میں تو ان کا کوئی سہیم و شریک نہ تھا؟ منصور عباسی کے زمانے میں کون کہہ سکتا ہے کہ اصحاب علم و عمل کا کال تھا؟ لیکن معلوم ہے کہ شاہان جور کے مقابلے میں ثبات حق و اعتقاد کا جو مقام عزیمت امام دار الہجرت حضرت مالک بن انس رحمتہ اللہ علیہما کو بہ ضمن مسئلۂ یمین و طلاق مکرہ ملا، وہ تو صرف ان ہی کے لئے تھا؟ یہ کیا چیز تھی کہ عین اس وقت

اولیہ تنویر تو ان کے لئے والیل اذا یغشٰی کے حکم میں داخل ہیں۔

باب

اگر تاریخ اسلام کے مختلف دوروں اور سلسلۂ دعوت و تجدید امت مرحومہ کی کڑیوں پر نظر ڈالو تو یہ جو کچھ کہا گیا اس کی تصدیق ہر دور کے واقعات پیش کریں گے افسوس! کہ یہ موقع تفصیل کا نہیں۔ ہر دور میں تم پاؤ گے کہ اگرچہ عامۂ علماء و صلحاء امت کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی، اور ان کا فضل و کمال اور ورع و تقویٰ بھی ہر طرح مسلم و ثابت ہے، بلکہ بعض ان میں ایسے تھے کہ علم و عمل کی متعدد شاخوں میں اپنا عدیل و نظیر نہیں رکھتے، بایں ہمہ اس عہد کی عزیمت دعوت اور

۱؎ قسم رات کی جب گھر جائے۔

تیسری صدی کے اوائل میں جب فتنۂ اعتزال و تعمق فی الدین نے سر اٹھایا۔ اور صرف ایک ہی نہیں بلکہ لگاتار تین عظیم الشان فرمانرواؤں یعنی مامون، معتصم، اور واثق باللہ کی شمشیر استبداد نے اس فتنہ کا ساتھ دیا، حتیٰ کہ بقول علی بن المدینی فتنۂ ارتداد و منع زکوٰۃ کے بعد یہ دوسرا فتنۂ عظیم تھا جو اسلام کو پیش آیا، تو کیا اس وقت علماء امت اور ائمہ شریعت سے عالم اسلامی خالی ہو گیا تھا؟ غور تو کرو، کیسے کیسے اساطین علم و فن اور اکابر فضل و کمال موجود تھے؟ خود بغداد علماء اہل سنت و حدیث کا مرکز تھا۔ مگر سب دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے اور عزیمت دعوت، و کمال مرتبۂ وراثت نبوت، و قیام حق و ہدایت فی الارض والامت کا وہ جو ایک خاص مقام تھا، وہ صرف ایک ہی قائم لامر اللہ کے حصہ میں آیا۔ یعنی سید المجددین و امام

جب کہ مشکیں اس زور سے کس دی گئی تھیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا تھا اور ستر کوڑوں کی ضربیں ان کے جسم اقدس پر پڑ رہی تھیں، تو اسی اونٹ کی پیٹھ پر کھڑے ہو گئے جس پر تشہیر و تذلیل کے لئے سوار کرایا گیا تھا، اور پکار کر کہا، "من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا مالک بن انس اقول ان الطلاق المکرہ لیس بشیٔ" یعنی جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے، جو نہیں جانتا تو جان لے کہ میں ہوں مالک انس کا بیٹا، اور اسی مسئلہ کا اعلان کرتا ہوں کہ جس کے اعلان سے جبر اً روکا جا رہا ہے کہ طلاق مکرہ کوئی چیز نہیں، سبحان اللہ یہ وہی مقام عزیمت کبریٰ کی شاہی و فرمانروائی تھی جس کے آگے دنیا کی بادشاہتیں بال مگس کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں، اور یہی وہ ہیبت ربانی اور جلالت روحانی تھی جسے دیکھ کر سفیان ثوری بے اختیار پکار اٹھے تھے۔

فهو المهاب ولیس ذا سلطان[1]

کیا خوب فرمایا حافظ ابن جوزیؒ نے موصوف کے حالات میں کہ "وکانما کانت تلک السیاط حلیا حلی به" یعنی انھیں کوڑوں سے پیٹا گیا اور مشکیں کسی گئیں لیکن ان باتوں سے انکی عزت و عظمت گھٹنے کی جگہ اور بڑھ گئی، گویا یہ ضرب تازیانہ ان کے جمال عظمت و اجلال کا زیور تھا کہ جب پہنا دیا گیا تو رعنائی و خوب روئی دوچند ہو گئی۔

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

---

[1] وہ بارعب ہے حالانکہ بادشاہ نہیں۔

سمندر میں ڈوبتا مانگے! کوئی کہتا "احفظوا السانکم، وعالجوا قلبکم و خذ وا ما تعرفوا ودعوا ما تنکروا" "اپنی زبانوں کی نگہبانی کرو، اپنے دل کے علاج میں لگ جاؤ، جو کچھ جانتے ہو اس پر عمل کئے جاؤ، جو برا ہو اسے چھوڑ دو! کوئی کہتا "ھٰذا زمان السکوت وملازمۃ البیوت" یہ زمانہ خاموشی کا زمانہ ہے اور اپنے اپنے دروازوں کو بند کرکے بیٹھ رہنے کا[1] جب کہ تمام اصحاب کار و طریق کا یہ حال ہو رہا تھا۔ اور دین الخالص کا بقاء و قیام ایک عظیم الشان قربانی کا طلبگار تھا، تو غور کرو کہ صرف امام موصوف ہی تھے جن کو فاتح و سلطان عہد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ انھوں نے نہ تو دعوات فتن و بدعت کے آگے سر جھکایا، نہ روپوشی و خاموشی و کنارہ کشی اختیار کی۔ نہ صرف بند حجروں کے اندر کی دعاؤں اور مناجاتوں پر قناعت کرلی، بلکہ دین خالص کے قیام کی راہ میں اپنے نفس و وجود کو قربان کر دینے اور تمام خلف امت کے لئے ثبات و استقامت علی السنت کی راہ کھول دینے کے لئے بحکم فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل[2] اٹھ کھڑے ہوئے ان کو قید کیا گیا، قید خانے میں چلے گئے۔ چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں ڈالی گئیں، پہن لیں، اسی عالم میں بغداد سے طرطوس لے چلے اور حکم دیا گیا کہ بلا کسی کے مدد کے خود ہی اونٹ پر سوار ہوں اور خود

---

[1] یہاں ایک طویل حاشیہ تھا "تذکرہ" میں دیکھو۔

[2] اسی طرح صبر کر جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔

المصلحین حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آیا۔

اپنے رنگ میں سب صاحب مراتب و مقامات تھے مگر اس مرتبہ میں اور کسی کا ساجھا نہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ قیام سنت و دین خالص کا قیامت تک کے لئے فیصلہ ہونے والا تھا، مامون و معتصم کے قہر و جبر اور بشر مریسی اور قاضی بن ابی داؤد جیسے جابرہ معتزلہ کے تسلط و حکومت نے علمائے حق کیلئے صرف دو ہی راستے باز رکھے تھے۔ یا اصحاب بدعت کے آگے سر جھکا دیں اور مسئلہ خلق قرآن پر ایمان لا کر ہمیشہ کے لئے دین میں نئے نئے اضافات و محدثات کا دروازہ کھول دیں یا پھر قید خانے میں رہنا ہر روز کوڑوں سے پیٹا جانا اور ایسے تہ خانوں میں بند ہو جانا کہ "لا یرون فیہ الشمس ابداً[1]" قبول کر لیں۔ بہتوں کے قدم تو ابتدا ہی میں لڑکھڑا گئے بعضوں نے ابتدا میں استقامت دکھلائی لیکن پھر ضعف و رخصت کے گوشے میں پناہ گیر ہو گئے۔ عبداللہ بن عمر القواریری اور حسن بن حماد امام موصوف کیساتھ ہی قید کئے گئے تھے۔ مگر شدائد و محن کی تاب نہ لا سکے اور اقرار کر کے چھوٹ گئے۔ بعضوں نے روپوشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی کہ کم سے کم اپنا دامن تو بچا لے جائیں۔ کوئی اس وقت کہتا تھا "لیس ھٰذا زمان حدیث، انما ھٰذا زمان بکاء و تضرع و دعاء کدعاء الغریق" یعنی یہ زمانہ درس و اشاعت علوم و سنت کا نہیں ہے۔ یہ تو وہ زمانہ ہے کہ بس اللہ کے آگے تضرع و زاری کیجئے اور ایسی دعائیں مانگئے جیسی

---

[1] اس میں کبھی سورج نہیں دیکھتے۔

اقرار کرلو تو قسم خدا کی ابھی اپنے ہاتھوں سے تمہاری بیڑیاں کھول دوں لیکن اس پیکرِ حق، اس مجسمۂ سنت، اس مؤید بالروح القدس، اس صابرِ اعظم کما صبر اولو العزم من الرسل کی زبانِ صدق سے صرف یہی جواب نکلتا "اعطونی شیئاً من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ حتی اقول بہ" اللہ کی کتاب میں سے کچھ دکھلا دو یا اس کے رسول کا کوئی قول پیش کردو تو میں اقرار کرلوں، اس کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا ؎

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

اگر اس چراغِ تجدید و مصباحِ عزیمت و دعوت کی روشنی مشکوٰۃ نبوت سے مستنیر نہ تھی تو پھر یہ کیا تھا کہ جب معتصم ہر طرح عاجز آکر قاضی ابن ابی داؤد وغیرہ علماء بدعت و اعتزال سے کہتا "ناظروہ وکلموہ"[1] اور وہ کتاب و سنت کے میدان میں عاجز آکر اپنے اوہام و ظنونِ باطلہ کو باسم عقل و رائے پیش کرتے تو وہ اس کے جواب میں بیساختہ بول اٹھتے "ما ادری ما ھذا" میں نہیں جانتا یہ کیا بلا ہے؟ اعطونی شیئاً من کتاب اللہ او من سنۃ رسولہ حتی اقول، اس تمام کائنات ہستی میں میرے سر کو جھکانے والی صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت، اس کے سوا دین میں نہ میرے لئے کوئی دلیل ہے نہ علم ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

---

[1] ان سے بحث کرو گفتگو کرو۔

ہی اونٹ سے اتریں، اسے بھی قبول کر لیا۔ بوجھل بیڑیوں کی وجہ سے ہل نہیں سکتے تھے، اٹھتے تھے اور گر پڑتے تھے، عین رمضان المبارک کے عشرۂ اخیر میں جس کی طاعت اللہ کو تمام دنوں کی طاعت سے زیادہ محبوب ہے۔ بھوکے پیاسے جلتی دھوپ میں بٹھائے گئے، اور اس پیٹھ پر جو علوم و معارف نبوت کی حامل تھی، لگاتار کوڑے اس طرح مارے گئے کہ ہر جلاد دو ضربیں پوری قوت سے لگا کر پیچھے ہٹ جاتا اور پھر نیا تازہ دم جلّاد اس کی جگہ لیتا۔ یہ بھی خوشی خوشی برداشت کر لیا، مگر اللہ کے عشق سے منھ نہ موڑا اور راہ سنت سے منحرف نہ ہوئے۔ تازیانے کے ہر ضرب پر بھی جو صدا زبان سے نکلتی تھی، وہ نہ تو جزع و فزع کی تھی نہ شور و فغاں کی، بلکہ وہی تھی جس کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا تھا، یعنی "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق[1]" اللہ اللہ! یہ کیسی مقام دعوت کبریٰ کی خسروی و سلطانی تھی، اور وراثت و نیابتِ نبوت کی ہیبت و سطوت کہ خود المعتصم باللہ جس کی ہیبت و رعب سے قیصر روم لرزاں و ترساں رہتا تھا، سر پر کھڑا تھا، جلادوں کا مجمع چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا، وہ بار بار کہہ رہا تھا "یا احمد! واللہ انی علیک لشفیق، وانی لاشفق علیک کشفقتی علی ھارون ابنی، وواللہ لئن اجبتنی لاطلقن عنک بیدی ماتقول" یعنی واللہ میں تم پر اس سے بھی زیادہ شفقت رکھتا ہوں جس قدر اپنے بیٹے کے لئے شفیق ہوں۔ اگر تم خلق قرآن کا

---

[1] قرآن، کلام الٰہی غیر مخلوق ہے۔

کہتے ہو کہ جب صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مظالم و شدائد کی شکایت کی تو فرمایا۔ تم سے پہلے ایسے لوگ گذر چکے ہیں جن کے سروں پر آرہ چلایا جاتا تھا اور جسم لکڑی کی طرح چیر ڈالے جاتے تھے۔ مگر یہ آزمائشیں بھی انھیں حق سے نہیں پھرا سکتی تھیں[1] ابوالعباس کہتے ہیں جب ہم نے یہ بات سنی تو مایوس

---

[1] اصل حدیث کے الفاظ صحیح بخاری میں یہ ہیں یا قریب قریب اس کے: "شکونا الی رسول اللہ صلعم وھو متوسد بردۃ لہ فی ظل الکعبۃ قلنا الا تدعو اللہ لنا؟ فقال کان الرجل فی من قبلکم یحفر لہ فی الارض فیجعل فیہ فیجاء بالمنشار فیوضع علی راسہ فیشق وما یصدہ ذالک عن دینہ۔ ویمشط بامشاط الحدید ما دون لحمہ من عظم وعصب وما یصدہ ذالک عن دینہ واللہ لیتمن ھذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضر موت لایخاف الا اللہ و لکنکم تستعجلون" یہ ہجرت سے پیشتر کا واقعہ ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا۔ اعداء حق کے ظلم و جور کی حد ہو گئی۔ آپ ہمارے لئے دعا نہیں کرتے؟ فرمایا تم سے پہلے ایسے لوگ گذر چکے ہیں کہ ظالموں نے ان کو گڑھوں میں کھڑا کر کے آرہ سے چیر دیا۔ مگر اس پر بھی انھوں نے حق سے منہ نہ موڑا، اور ایسا ہوا کہ حق پرستوں کی کھالوں پر لوہے کی کنگھیاں پھرائی گئیں جو گوشت کو ہڈی اور پٹھے سے جدا کر دیتی تھیں، لیکن اس پر ان کے قدم نہ ڈگمگائے۔ خدا کی قسم! دعوت حق کا جو کام شروع ہوا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ وقت قریب ہے جب یمن سے حضر موت تک ایک سوار چلا جائے گا۔ اور بجز اللہ کے اور کسی کا خوف اس کے دل میں نہ ہوگا۔ (یعنی راہ میں ہر جگہ صرف مسلمان ہی ہوں گے۔ کوئی غیر نہ ہوگا جو حملہ کرے یا لوٹے) یہ ہونے والا ہے مگر تم جلد باز ہو۔" امام بخاری باب علامات النبوت میں ایک دوسری حدیث عدی بقیہ بر صفحہ

امام موصوف کو جب قید کر کے طرطوس روانہ کیا گیا تو ابوبکر الاحول نے پوچھا "ان عرضت علیک السیف" اگر تلوار کے نیچے کھڑے کر دئے گئے تو کیا اس وقت مان لوگے؟ کہا نہیں! ابراہیم بن مصعب کوتوال کہتا ہے میں نے کسی انسان کو بادشاہوں کے آگے احمد بن حنبل سے بڑھ کر بے رعب نہ پایا "یومئذ ماغن فی عینیہ الا کامثال الذباب" ہم عمال حکومت ان کی نظروں میں مکھیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے! اور یہ بالکل حق ہے۔ جن لوگوں کی نظروں میں جلال الٰہی سمایا ہو، وہ مٹی کے ان پتلیوں کو جنہوں نے لوہا تیز کر کے کاندھے پر ڈال رکھا ہے یا بہت سا چاندی سونا اپنے جسم پر لپیٹ لیا ہے کیا چیز سمجھتے ہیں؟ ان کو تو خود اقلیم عشق الٰہی کی سرداری و شاہی اور شہرستان صدق و صفا کا تخت و تاج حاصل ہے ؂

بمیں حقیر گدایان عشق را، کین قوم
شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

ابو العباس الرقی سے حافظ ابن جوزی روایت کرتے ہیں کہ جب رقہ میں امام موصوف قید تھے تو علما کی ایک جماعت گئی اور اس قسم کی روایات نقول سنانے لگی جن سے بخوف جان تقیہ کر لینے کی رخصت نکلتی ہے۔ امام موصوف نے سب سن کر جواب دیا۔ کیف تصنعون بحدیث خباب؟ "ان من کان قبلکم کان ینشر احدھم بالمنشار ثم لا یصدہ ذالک من دینہ قالوا فیئستا منہ"۔ یعنی یہ تو سب کچھ ہوا مگر بھلا اس حدیث کی نسبت کیا

یہ ننگ قبول کرنے لگے کہ کمزوروں اور درماندوں کی لکڑی کا سہارا پکڑیں؟
جن کے لئے سلامتی ہے، ہوا کرے، مگر ان کے لئے تو ایسا کرنا ہمت کی موت ہے
ایمان کی پامالی ہے، اور عشق کی جبین عزت کے لئے داغ ننگ و عار سے کم نہیں
حسنات الابرار سیئات المقربین! رخصت و عزیمت کی تفریق اور اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز
اصحاب عمل کے لئے ہے نہ کہ اصحاب عشق کے لئے۔ عشق کی راہ ایک ہی ہے۔
اور اس میں جو کچھ ہے عزیمت ہی عزیمت ہے۔ ضعف و بیچارگی کا ذکر ہی کیا،
وہاں رخصت کا نام لینا بھی کم از معصیت نہیں۔ کما قال بعض المحبین
العارفین۔

ملت عشق از ہمہ دیں ہا جدا ست
عاشقاں را مذہب و ملت خدا ست

حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں جب معتصم باللہ نے جلادوں کو ضرب
تازیانہ کے لئے حکم دیا تو وہ علماء اہل سنت بھی دربار میں موجود تھے جو شدت
محن و مصائب کی تاب نہ لا سکے اور اقرار کر کے چھوٹ گئے۔ ان میں سے بعض
نے کہا "من صنع من اصحابك في هذا الامر ما تصنع" خود تمہارے ساتھیوں
میں سے کس نے ایسی ہٹ کی جیسی تم کر رہے ہو؟ امام احمد نے کہا یہ تو کوئی
دلیل نہ ہوئی "اعطوني شيئا من كتاب الله او سنة رسوله حتى اقول به"[1]
عین حالت صوم میں کہ صرف پانی کے چند گھونٹ پی کر روزہ رکھ لیا تھا، تازہ
دم جلادوں نے پوری قوت سے کوڑے مارے۔ یہاں تک کہ تمام پیٹھ زخموں
سے چور ہو گئی اور تمام جسم خون سے رنگین ہو گیا۔ خود کہتے ہیں جب ہوش آیا

---

[1] کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں سے کچھ میرے سامنے پیش کرو تاکہ میں یہ کہہ دوں۔

ہو کر چلے آتے کہ انھیں سمجھانا بیکار ہے۔ یہ جو میں بار بار کہہ رہا ہوں کہ "عزیمت دعوت" "عزیمت دعوت" تو یہ ہے عزیمت دعوت' اور یہ ہے وراثت و نیابت مقام فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل کی اور یہ ہے خاصۂ مرتبۂ عظیمۂ "من یعد دلہا دینہا" کا اور یہ ہے ان ایام فتن کا صبر اعظم و اکبر جس کی نسبت ترمذی کی روایت ہیں فرمایا "الصبر فیہن کالقبض علی الجمر" یہی وہ لوگ ہیں جو اگر چاہیں تو گوشۂ رخصت و بیچارگی میں امن و عافیت کے پھول چن سکتے ہیں لیکن وہ پھول چھوڑ کر دہکتے ہوئے انگارے پکڑ لیتے ہیں اور اسی لئے ان کا اجر و ثواب بھی "مثل اجر خمسین رجلا یعملون مثل عملکم" کا حکم رکھتا ہے مانا کہ ضعیفوں اور درماندوں کے لئے رخصت و گلو خلاصی کی راہیں بھی باز رکھی گئی ہوں لیکن اصحاب عزائم کا عالم دوسرا ہے ان کی ہمت عالی بھلا میدان عزیمت و اسبقیت بالخیرات چھوڑ کر تنگنائے رخصت و ضعف میں پناہ لینا کب گوارہ کر سکتی ہے؟ جوانان ہمت اور مردان کار زار

بقیہ حاشیہ ص۴۵ ۔ بن حاتم کی بھی لائے ہیں "لتوشکن الظعینۃ ترحل من الحیرۃ حتی تطوف بالکعبۃ" اور "لتفتحن کنوز کسریٰ" یعنی آپ نے فرمایا۔ عدی اگر تم جیتے رہے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت تن تنہا سفر کر کے آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور اس تمام سفر میں اللہ کے سوا کوئی چیز اس کیلئے موجب خوف نہ ہوگی اور قریب ہے کہ مسلمانوں کے لئے کسریٰ کے خزانے کھولدیئے جائیں۔ عدی کہتے ہیں میں زندہ رہا اور دونوں باتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ وکنت فی من فتح کنوز کسریٰ ہ

وہ زمانہ کیا ہوا جب میرے گریہ میں اثر تھا؟ یہی چشم خونفشاں تھی، یہی دل یہی جگر تھا

لہ جو اس کے لئے اسکا دین تازہ کر دے گا۔ لہ اس زمانہ میں صبر انگارے پکڑنے کے برابر ہوگا۔

بلکہ ان کے خون میں رنگے ہوئے کپڑوں کو بھی ان سے الگ نہ کیجئے "زملوهم بثيابهم ودمائهم" اور اسی لباس گلگوں و خلعت رنگین میں وہاں جانے دیجئے جہاں ان کا انتظار کیا جارہا ہے، اور جہاں خون عشق کے سرخ دھبوں سے بڑھ کر شاید اور کوئی نقش و نگار عمل مقبول و محبوب نہیں۔ عند ربهم یرزقون۔ فرحین بما اتاهم الله۔

خون شہیداں را ز آب اولیٰ تر است
این گناه از صد ثواب اولیٰ تر است

اللہ اللہ! یہاں طہارت جسم و لباس کا کیا سوال ہے؟ امام احمد بن حنبل نے اپنی تمام عمر میں اگر کوئی پاک سے پاک اور سچی سے سچی نماز پڑھی تھی تو یقیناً وہ وہی ظہر کی نماز تھی۔ ان کی تمام عمر کی وہ نمازیں ایک طرف جو دجلہ کے پانی سے پاک کی گئی تھیں، اور وہ چند گھڑیوں کی عبادت ایک طرف جس کو راہ ثبات حق میں بہنے والے خون نے مقدس و مطہر کر دیا تھا۔ سبحان اللہ! جس کے عشق میں چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں پہن لی تھیں، جس کی خاطر سارا جسم زخموں سے چور اور خون سے رنگین ہو رہا تھا، اسی کے آگے جبین نیاز جھکی ہوئی! اسی کے ذکر میں قلب و زبان لذت یاب تسبیح و تحمید! اسی کے جلوۂ جمال میں چشم شوق وقف نظارہ و دید! اور اسی کی یاد میں روح مضطر محو و سرشار عشق و خود فراموشی!

یوں عبادت ہو تو زاہد ہیں عبادت کے مزے

اور یہ جو امام موصوف نے افطار سے انکار کر دیا۔ اور نماز کا وقت آیا تو یہ

تو چند آدمی پانی لائے اور کہا پی لو مگر میں نے انکار کر دیا کہ روزہ نہیں توڑ سکتا وہاں سے مجھے اسحاق بن ابراہیم کے مکان میں لے گئے۔ ظہر کی نماز کا وقت آگیا تھا۔ ابن سماعہ نے امامت کی اور میں نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ابن سماعہ نے کہا۔ تم نے نماز پڑھی حالانکہ خون تمہارے کپڑوں میں بہ رہا ہے؟ یعنی زخم جاری وکثیر کے بعد طہارت کہاں رہی؟ میں نے جواب دیا "قد صلے عمر وجرحہ یثعب دماً"[1] ہاں مگر میں نے وہی کیا جو حضرت عمر نے کیا تھا۔ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور قاتل نے زخمی کیا مگر اسی حالت میں انھوں نے نماز پوری کی۔

ابن سماعہ کے جواب میں حضرت امام نے حضرت عمر کی جو نظیر پیش کی تو یہ ان کی تشفی کے لئے بس کرتی تھی۔ مگر میں کہتا ہوں۔ جو خون اس وقت امام احمد بن حنبل کے زخموں سے بہ رہا تھا، اگر وہ خون ناپاک تھا اور اس کے ساتھ نماز نہیں ہو سکتی تو پھر دنیا میں اور کون سی چیز ایسی ہے جو انسان کو پاک کر سکتی ہے، اور کون سا پانی ہے جو طاہر و مطہر ہو سکتا ہے؟ اگر یہ ناپاک ہے تو دنیا کی تمام پاکیاں اس ناپاکی پر قربان! اور دنیا کی ساری طہارتیں اس پر سے نچھاور! یہ کیا بات ہے کہ پاک سے پاک اور مقدس سے مقدس انسان کی میت کے لئے بھی غسل ضروری ٹھہرا کہ "اغسلوہ بماء وسدر وکفنوہ فی ثوبیہ"[2] مگر شہیدان حق کے لئے یہ بات ہوئی کہ ان کی پاکی شرمندۂ آب غسل نہیں۔ "لم یصل علیہم ولم یغسلھم"[3]

---

[1] اخرجہ البخاری عن ابن عباس [2] پانی اور بیری کی پتی سے اسے نہلاؤ اور دو کپڑوں میں کفناؤ۔ [3] بخاری و ترمذی میں شہداء احد کی نسبت غالباً حضرت جابر کی روایت ہے یہ اسکے الفاظ ہیں (او کما قال)

اور کہاں کی حق پرستی ہے؟ بلکہ ایک طرح کی ضلالت و جنون ۔حتی تکون حرضاً او تکون من الھالکین[1] تو تمہاری مثال ٹھیک ٹھیک لائمات مصر کی سی ہے جو جمال عصمت یوسفی سے بیخبر امرأۃ العزیز کو ملامت کیا کرتی تھیں ۔ تراود فتاھا عن نفسہ قد شغفھا حبا۔ انا لنرا ھا فی ضلال مبین[2] ۔ لیکن کاش ایسا ہوتا کہ پردہ اٹھایا جا سکتا اور یہ کہا جا سکتا کہ اخرج علیھن[3] تو اس وقت ملامت گران بے درد پر اپنی ملامتوں کی حقیقت کھلتی لائمات مصر نے تو صرف ہاتھ ہی کاٹ لئے تھے اکبرنہ ۔ وقطعن ایدیھن وقلن حاشا اللہ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم[4] لیکن عجب نہیں تمہارے ہاتھوں کی چھریاں خود تمہارے ہی گردنوں پر چل جائیں اور اس وقت دل باختگان عشق یوسفی کہتے ۔ فذالکن الذی لمتننی فیہ[5] ۔ و لقد احسن القائل ۔

ولیسمعون کما سمعت کلامھا　　خروا لعزۃ سجداً و رکوعا[6]

---

[1] یہاں تک کہ تو قریب المرگ ہو جائے یا بالکل ہلاک ہو جائے ۔[2] وہ اپنے غلام کو پھسلاتی ہے کہ جس نے اسے موہ لیا ہے ہم تو اسے صریح گمراہی میں سمجھتے ہیں[3] ان کے سامنے نکل آ۔[4] اس کی قائل ہو گئیں، اور اپنے ہاتھ چھروں سے کاٹ لئے اور کہنے لگیں حاشا للہ ۔ یہ آدمی نہیں ہے ۔ یہ تو بس فرشتہ ہے (یہاں ایک نہایت محققانہ حاشیہ عورتوں کے ہاتھ کاٹ لینے کے متعلق تھا "قذ کرہ" میں دیکھو ۔)

[5] تو یہی وہ ہے جس پر تم مجھے ملامت کرتی تھیں ۔

[6] اگر وہ میری طرح "عزہ" کی باتیں سنتے تو اس کے آگے رکوع و سجدہ میں منہ کے بل گر پڑتے ۔

اول وقت و بہ جماعت ادا کرنے سے باز نہ آتے حالانکہ جسم زخموں سے چور اور پیٹھ کا خون پاؤں تک بہ رہا تھا، تو اب بتلاؤ وہ تمہارا رخصت والا معاملہ کیا ہوا؟ کیا ایسی حالت میں رخصت نہ تھی کہ روزہ کھول دیتے اور نماز کیلئے اس قدر توقف کرتے کہ زخموں پر مرہم لگا دیا جاتا؟ اور اگر تم اس عالم پہلو کو امن و فراغت اور طاقت و فرصت کی حالت میں بھی مصائب و خطرات سے بچنے کے لئے دعوت الی الحق کو ترک کے ملتوی اور عزم و ثبات حق سے انحراف کیا جا سکتا ہے اور تمہارے نزدیک مصلحت و رخصت اسی میں ہے کہ بطلان و ضلالت کے آگے سر جھکا دیا جائے، تو خدارا بتلاؤ کہ یہ عالم کون سا تھا؟ کبھی اس عالم کی بھی کوئی خبر تم تک پہونچی ہے؟

یاراں خبر دہید کہ ایں جادہ گاہ کیست؟

افسوس حیلہ جوئی و بہانہ سازی کا نام تمہاری بولی میں رخصت ہے اور ہمت کی موت اور ایمان کی جانکنی کو تمہاری بستی میں مصلحت بینی اور دانشمندی کے لقب سے پکارا جاتا ہے تمہیں اس عالم کی کیا خبر؟ اقلیم عزائم اور ہمت آباد عشق کے معاملات تمہارے وہم و گمان سے بھی بالاتر ہیں۔ تمہارے لئے یہی بہت ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے ایمان کی بچی بچائی اور بچی کھچی پونجی بچالے جاؤ اگرچہ اس کی بھی امید نہیں۔

تو اے گرد توہم! شوکت دریا چہ میدانی
اسیر عذر لنگی، وسعت صحرا چہ میدانی

تم کہتے ہو دیدہ و دانستہ اپنی جان ہلاکت میں ڈال دینا کون سی عقلمندی

احمد بن حنبل ثمانین سوطا لوضع بہا فیلا لہرته" احمد بن حنبل کو کو اسی کوڑے ایسے مارے گئے کہ اگر ہاتھی کے بھی مارے جاتے تو چیخ اٹھتا مگر اس کوہ عزم وہمت نے اف تک نہ کی۔ جب تک ہوش رہا ہر ضرب پر یا تو وہی جملہ زبان سے نکلتا رہا جس کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" اور یا یہ آیت کریمہ لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔[1]

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ
آنجا کہ لطمہ ہائے ید اللہ حی زنند

یہ ہے مقام ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا[2] کا، اور یہ ہے وراثت و نیابت حقیقی و کامل فاستقم کما امرت[3] اور انك باعیننا[4] ورفانه یسلك من بین یدیه ومن خلفه رصدا کی اور یہ ہیں مجسم و ممثل معنی آیت کریمہ اولئك کتب فی قلوبهم الایمان وایدهم بروح منه[5] اور رضی اللہ عنهم ورضوا عنه اولئك حزب اللہ الا ان حزب اللہ هم المفلحون[6]

---

[1] جو خدا نے لکھ دیا ہے اس کے سوا ہم پر کوئی مصیبت نہیں پڑ سکتی [2] جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر استوار رہے۔

[3] حکم کے بموجب استوار رہ [4] تو ہماری نگہبانی میں۔

[5] یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر ایمان نقش کر دیا ہے اور خاص اپنی طرف سے ان کی تائید کی ہے۔ [6] اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، وہی اللہ کی جماعت ہیں، اور اللہ ہی کی جماعت کامیاب رہنے والی ہے۔ ۱۲

امام موصوف کے لڑکے عبداللہ کہتے ہیں۔ میرے والد ہمیشہ کہا کرتے "رحم اللہ ابا الہیثم، غفر اللہ لابی الہیثم" خدا ابوالہیثم پر رحم کرے، خدا ابوالہیثم کو بخش دے! میں نے ایک دن پوچھا ابوالہیثم کون ہے؟ کہا جس دن سپاہی مجھے دربار میں لے گئے اور کوڑے مارے گئے۔ تو جب ہم راہ سے گذر رہے تھے ایک آدمی مجھ سے ملا اور کہا پہچانتے ہو؟ میں مشہور چور اور عیار ابوالہیثم حداد ہوں۔ میرا نام شاہی دفتر میں ثبت ہے۔ بارہا چوری کرتے پکڑا گیا اور بڑی بڑی سزائیں جھیلیں۔ صرف کوڑوں ہی کی مار اگر گنوں تو سب ملاکر اٹھارہ ہزار ضربیں، تو میری پیٹھ پر ضرور پڑی ہوں گی۔ بایں ہمہ میری استقامت کا یہ حال ہے کہ اب تک چوری سے باز نہ آیا۔ جب کوڑے کھاکر جیل خانے سے نکلا، سیدھا چوری کی تاک میں چل دیا۔ میری استقامت کا یہ حال شیطان کی طاعت میں رہا ہے۔ دنیا کی خاطر۔ افسوس تم پر اگر اللہ کی محبت کی راہ میں اتنی استقامت بھی نہ دکھلا سکو اور دین حق کی خاطر چند کوڑوں کی ضرب برداشت نہ کرو۔ میں نے جب یہ سنا تو اپنے جی میں کہا۔ اگر حق کی خاطر اتنا بھی نہ کرسکے جتنا دنیا کی خاطر ایک چور اور ڈاکو کر رہا ہے تو ہماری بندگی پر ہزار حیف اور ہماری خدا پرستی سے بت پرستی لاکھ درجہ بہتر

کس منھ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز

اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

حافظ ابن جوزی نے محمد بن اسمٰعیل کا قول نقل کیا ہے "ضربت

چھوڑی اس نے سنت رسول و منہج اصحاب رسول سے انحراف کیا، یہ کیا تھا کہ بڑے بڑے ائمہ عصر کو اعتراف کرنا پڑا "اذا رایت الرجل یحب احمد بن حنبل فاعلم انہ صاحب سنۃ" اگر کسی کو دیکھو کہ احمد سے محبت رکھتا ہے تو بس جان لو کہ صاحب سنت ہے۔ خطیب نے تاریخ میں ہمدانی کا قول نقل کیا ہے "یعرف بہ المسلم من الزندیق" اسی کسوٹی پر مسلم کو زندیق سے پرکھا جائے گا۔ دورقی نے کہا "من سمعتموہ یذکر احمد بن حنبل بسوء فاتھموہ علی الاسلام"[1]

انا من اھوی ومن اھوی انا	نحن روحان حللنا بدنا[2]
فاذا ابصرتنی ابصرتہ	واذا ابصرتہ ابصرتنا[3]

ولیقرب من ھذا ما قیل بالفارسیۃ

جذبۂ وصل بحدیست میان من و تو
کہ رقیب آمد و پرسید نشان من و تو

امام موصوف کے متعلق اسی حقیقت کو مزاحم الخاقانی نے ایک قطعہ میں نظم کیا تھا۔

لقد صار فی الآفاق احمد محنۃ	وامر الوری فیھا فلیس بمشکل
تری ذا الھوی جھلا لاحمد مبغضا	وتعرف ذا التقوی یحب ابن حنبل

---

[1] جسے احمد بن حنبل کی شکایت کرتے سنو اس کے اسلام میں شک کرو۔ [2] میں وہی ہوں جسکی مجھے طلب ہے۔ اور وہ بعینہ میں، ہم دو روحیں ہیں جو ایک ہی بدن میں سما گئی ہیں۔
[3] جب تم نے مجھے دیکھ لیا تو اسے دیکھ لیا اور جب اسے دیکھ لیا تو مجھے دیکھ لیا۔

کے، اور یہ ہے وہ معاملہ کہ ان عبادی لیس لک علیھم سلطانؔ۔ جب
بندگان حق کو شیاطین و ابالیس کا وہ مکر و خدع بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا،
کہ لتزول منہ الجبالؔ تو ظاہر ہے کہ چمڑے کے کوڑے اور لوہے کی دھار
ان کی استقامت پر کب غالب آنے والی ہے؟ یہ تو اس کے مقابلے میں
محض ایک ابتدائی اور آزمائشی منزل ہے ؎

کریں گے کوہکن جذب دل کا امتحاں آخر
ابھی اس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے

فی الحقیقت حضرت امام موصوف کی نسبت محمدی اور کمال مرتبہ تاسّی
باسوۂ نبوت کی یہی وہ شان و جلالت ہے جس نے ان کو تمام ائمہ و مجددین
امت کی صفوف مراتب کمال سے بلند کر کے ایک دوسرے ہی مقام
پر پہونچا دیا ہے حتیٰ کہ تمام ائمہ اسلام میں یہ فضل مخصوص صرف انہی کے
حصے میں آیا کہ ان کی محبت و پیروی اہل حق و سنت ہونے کی دلیل ٹھہری
اور ان سے انحراف بدعتی ہونے کی سب سے بڑی پہچان! اللہ تعالیٰ نے
ان کو فنا فی السنت ہونے کا وہ مرتبہ عطا فرمایا کہ کمال استغراق و تفانی کی وجہ
سے خود ان کی ذات گرامی ہی یکسر سنت و اتباع سنت کا پیکر و مجسمہ بن
گئی۔ بحدیکہ

نتواں ترا و جاں را بہم امتیاز کردن!

جو اس امام کے قدم بقدم چلا اس نے سنت کو پایا، اور جس نے اس کی راہ

ؔ میرے بندوں پر تجھے کچھ بھی اقتدار نہیں۔ ؔ اس سے پہاڑ بھی سرک جائیں۔

انسانوں کے نزدیک مبغوض و مردود ہو جائیں، تو ان کا حال یہ ہے کہ اس امام اہل سنت کی محبت و پیروی کو اپنے ایمان کی زینت اور اپنے عقاید کی خوبروئی سمجھتے ہیں اور ان کے مسلک سنت و حکمت[1] اور طریق محمدیت خالص بے مزج بدعت قیاس و رائے کے عشق و شعف سے اپنے قلب و روح کو ہمیشہ معمور و آباد رکھتے ہیں۔ ورحمۃ اللہ علی القائل وھو ابن اعین رکما نقل الخطیب فی التاریخ، اذ یقول

اضحی ابن حنبل محنۃ ماموتۃ	وبحب احمد یعرف المتنسک[2]
واذا رایت لاحمد متنقصا	فاعلم بان ستورہ ستھتک[3]

امام موصوف کا یہی وہ مقام ہے جس کی طرف بشر حافی نے اشارہ کیا تھا "قام احمد مقام[4] الانبیاء" اور کہا کہ امام احمد کی استقامت و ثبات کی آزمائش لگاتار چار بادشاہوں نے کی "بعضھم بالضراء وبعضھم بالسراء"[5] مامون، معتصم اور واثق نے ضرب و حبس سے آزمائش کی، متوکل نے تعظیم و تکریم اور عطا و بخشش سے، لیکن "وکان[6] فیھا معتصما باللہ عزوجل"

---

[1] یہاں ایک طویل حاشیہ تھا "تذکرہ" میں دیکھو۔

[2] ابن حنبل ایک مبارک آزمائش ہو گئے، احمد کی محبت سے عابد پہچانا جاتا ہے

[3] جب احمد کی برائی کرتے کسی کو دیکھو، تو سمجھ لو کہ اس کے عیب عنقریب کھلیں گے۔

[4] احمد نے انبیا کی قائم مقامی کی۔

[5] ان میں سے بعض نے مصیبت میں ڈال کر اور بعض نے عیش پیش کر کے۔

[6] لیکن وہ ان سب میں خدا کی رسی تھامے رہے۔

اور یہ بالکل حق ہے۔ آج بھی دیکھ لو۔ ارباب بدعت کو کبھی امام موصوف کا مسلک
خوش نہ آئے گا ان کی محبت سے ان کا دل کورا ہوگا۔ بلکہ کہیں گے کہ ان کا طریقہ
نہ تاویل ورائے کی عقل مندی سے خالی اور محض ظاہر پرستی اور بے دانشی
و بے علمی کا مجموعہ ہے۔ حتی کہ الرحمٰن علی العرش استوٰی[1] اور ید وعلو ونزول
کے دقیق وفلسفیانہ معانی بھی انھیں معلوم نہ تھے برخلاف اس کے عصابۂ
صالحہ کتاب وسنت وطائفہ حقہ "ما انا علیہ واصحابی"[2] کہ جمیع طرق و
مذاہب بدعیہ سے یکسو ودامن کشاں ہیں اگرچہ "ان تعض باصل شجرۃ"[3] کی
نوبت آجائے اور مبتدعین وارباب ہواء کے تمام شیوہ ہائے تیرہ وروش
ہائے نافرجام سے بکلی پناہ ڈھونڈھتے ہیں اگرچہ اس کی وجہ سے لاکھوں کروڑوں

---

[1] رحمٰن عرش پر متمکن ہو گیا [2] جس طریقے پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

[3] یہ وصیت کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفۃ اعلم الصحابۃ بالفتن کو کہ "فاعتزل تلک الفرق کلها ولو ان تعض باصل شجرۃ حتی یدرکک الموت" یعنی جب مسلمانوں کی ایک جماعت اور ایک سبیل نہ رہے، اور بہت سے مذہبوں اور طریقوں میں بٹ جائیں تو طالب حق کو چاہئے کہ ان سارے بناوٹی مذہبوں اور جماعتوں سے الگ ہو جائے اور صرف مسلم ومومن رہے۔ اگرچہ ایسا کرنے میں غربت وبے کسی کی وجہ سے درختوں کی جڑ چبا کر جینا پڑے تو اس کو بھی گوارہ کرلے مگر الگ الگ مذہب بنانے والوں کا ساتھ نہ دے! پوری روایت صحیحین میں ہے۔

ان السلامۃ من سلمیٰ وجادیها ان لا تمر علی حال بوادیها
من حام حول الحمی یوشک ان یقع فیه۔

کرلیں۔ فرمایا وہ اپنی مرضی کا مختار ہے۔ لیکن جب عبداللہ سے کہا گیا تو انھوں نے بھی واپس کردیا۔ آخر مجبور ہو کر لانے والوں نے کہا خود نہیں رکھنا چاہتے تو فقراء ومساکین کو بانٹ دیجئے فرمایا میرے دروازے سے زیادہ امیرالمؤمنین کے محل کے نیچے فقیروں کا مجمع رہتا ہے۔ فقیروں ہی کو دنیا ہے تو وہیں دیا جائے۔ اس ہنگامہ کی یہاں کیا ضرورت ہے؟ ایک مرتبہ اسحاق بن ابراہیم کے سخت اصرار سے دس ہزار درہم لے لئے تو اسی وقت مہاجرین وانصار کی اولاد میں تقسیم کردیئے ؎

عدیل ہمت ساقی ست فطرت عرفی
کہ حاتم دگراں و گدائے خویشتن ست

ان کے لڑکے راوی ہیں کہ جب خلیفہ متوکل ان کی تعظیم وتکریم میں حد درجہ غلو کرنے لگا تو انھوں نے کہا "ھذا امر اشد علی من ذالک۔ ذالک فتنۃ الدین وھذا فتنۃ الدنیا"۔ یہ معاملہ تو گذشتہ معاملہ سے بھی کہیں زیادہ میرے لئے سخت ہے وہ دین کے بارے میں فتنہ تھا اور یہ فتنۂ دنیا ہے! یعنی مصائب ومحن کی آزمائش کہیں زیادہ پرامن ہے، بمقابلہ آزمائش نعیم دنیا و دعوت طمع وترغیب کے، اور یہ بالکل حق ہے۔ کتنے ہی شہسواران ثبات واستقامت ہیں جو پہلے میدان آزمائش سے تو صحیح وسلامت نکل گئے، مگر دوسری راہ سامنے آئی تو اول قدم ہی میں ٹھوکر لگی، حالانکہ مرد کامل وہ ہے جس پر یدعون ربھم خوفا وطمعا [1] کا مقام ایسا طاری ہو

---

[1] اپنے رب کو امید وبیم سے پکارتے ہیں

ان کی استقامت و عشق حق پر نہ تو خوف دنیا غالب آیا نہ طمع دنیا غالب آئی دونوں کسوٹیوں پر یہ سونا یکساں طور پر کھر انکلا والبلاء للولاء کاللہب للذھب:-

بندگان تو کہ در عشق خداوندانند
دو جہاں را بہ تمنائے تو بفروختہ اند

مامون و معتصم اور الواثق نے جو کچھ کیا وہ معلوم ہے۔ جعفر المتوکل کا یہ حال ہے کہ اس کی خلافت بدعت و ارباب بدعت کے زوال و خسران اور سنت و اصحاب حدیث کے امن و عروج کا اعلان عام تھی۔ حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں متوکل باللہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح پچھلے مظالم کی تلافی ہو جائے ایک بار اس نے بیس ہزار سکے بھیجے اور دربار میں بلایا۔ ایک بار ایک لاکھ درہم بھیجا اور سخت اصرار کیا کہ قبول کر لیجئے لیکن ہر مرتبہ امام موصوف نے انکار کر دیا اور کہا میں اپنے مکان میں اپنے ہاتھ سے اس قدر کشتکاری کر لیتا ہوں جو میری ضروریات کے لئے کافی ہے۔ یہ بوجھ اٹھا کر کیا کروں گا۔ کہا گیا کہ اپنے لڑکے کو حکم دیجئے وہ قبول

---

[1] حافظ ابن جوزی اور خطیب نے لکھا ہے کہ امام موصوف کا ذریعہ معاش یہ تھا کہ اپنے مکان کی زمین میں تھوڑی سی کشت کاری کر لیتے اور اسی پر قانع رہتے۔ زراعت کی زکوٰۃ سال بسال ادا کرتے اور اس بارے میں ان کا عمل حضرت عمر کے فرمان خلافت پر تھا جو انھوں نے ارض سواد (عراق) کی نسبت نافذ فرمایا تھا "علی کل جریب درھماً و قفیزاً" غور کرو یہ حال علماء سلف کا تھا اور جو حال آج علماء دنیا کی دنیا پرستیوں کا ہو رہا ہے وہ معلوم ہے۔ یاکلون اموال الناس بالباطل الخ

باب

یہ تو اوائل کا حال تھا۔ عہد متاخرین میں بھی دیکھو تو ظہور عزیمت دعوت وتجدید امت کی بو العجبیوں کا ہمیشہ ایسا ہی حال رہا۔ آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں جب دعوت عامہ امت، وتجدید شریعت، واحیاء السنت بعد موتہا، واخماد البدعۃ بعد شیوعہا وارتفاعہا کی روح القدس نے شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجود مبارک میں ظہور کیا، اور عہد اواخر کے تمام مسالک دعوت وتجدید کی ریاست وفاتحیت کا مقام اس مجدد اعظم کے سپرد کیا گیا، تو کیا اس زمانہ میں بجز شیخ الاسلام ممدوح کے اور کوئی عالم حق نہ تھا؟ تاریخ اسلام میں اس عہد کی جس قدر تفصیلات ملتی ہیں، کسی عہد کی نہیں ملتیں۔ اگرچہ عربی خلافت کے بکلی اختتام اور فتنہ عظیمہ یاجوج ماجوج (تاتار) کے من کل حدب ینسلون، اور تفرق مذاہب، وتشتت جماعت، وشیوع بدع، واحاطۂ

جائے کہ دنیا کا خوف اور دنیا کی طمع، دونوں قسم کے حربے اس کے لئے بالکل بیکار ہو جائیں۔ فہم القوم الذین لا یشقی جلیسھم ولا یستوحش انیسھم قد نالوا مطالبھم برفع الکفھم الی خالقھم، لا یحتاجون فی حوائجھم الا الیہ، ولا یعولون فی مقاصدھم الا علیہ[۱]۔ وللہ در ما قال

وبنت لیلی ارسلت بشفاعۃ — الی، فھلا نفس لیلی شفیعھا[۲]

اأکرم من لیلی علی، فتبتغی — بہ الوصل ام کنت امرءا لا اطیعھا[۳]

---

[۱] یہی وہ لوگ ہیں جن کا ہم صحبت بدبختی میں نہیں پڑتا، ان کا ہم مجلس اکتاتا نہیں، انھوں نے اپنی مرادیں اپنے خالق کی طرف ہاتھ اٹھا کر پالیں، وہ اپنی ضرورتوں میں اس کے سوا کسی کے محتاج نہیں ہوتے اور نہ اپنے مقاصد میں بجز اس کے کسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ [۲] مجھے خبر ملی ہے کہ لیلیٰ نے میرے پاس سفارش بھیجی ہے، مگر کیا خود لیلیٰ اپنی سفارش نہیں ہے؟

[۳] کیا کوئی میری نظر میں لیلیٰ سے بھی بڑھ کر ہے کہ جس کے ذریعہ وصل کی آس لگائی جائے یا میں ایک ایسا شخص ہوں جو لیلیٰ کا تابعدار نہیں؟

اعلام عہد جن کے حالات حافظ ذہبی اور ابن قدامہ عسقلانی کی مصنفات میں موجود ہیں۔ تو تم ان لوگوں کی نسبت کیا سمجھتے ہو؟ کون ہے جو ان بزرگوں کے فضل و کمال اور ورع و تقویٰ اور اتباع حق و سداد سے انکار کر سکتا ہے؟ علی الخصوص حافظ مزی، برزالی، ابن دقیق العید، اور حافظ ذہبی تو اس پایہ کے بزرگ تھے کہ ان میں سے ہر شخص علوم سنت کا خزانہ اور حفظ و نقد کا امیر المومنین تھا۔ علماً حدیث متاخرین میں سے کسی مصنف کا بھی ہم اخلاف امت و بیچارگان دور آخر پر اس درجہ احسان نہیں ہے جس قدر حافظ ذہبی کا۔ اور اگر کوئی دوسرا اس وصف میں ان کا شریک ہے تو وہ صرف ان سے متاخر حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں۔ ولیس لھما ثالث۔ یہی وہ دو حافظ فاقد علوم حدیث ہیں جنہوں نے نہ صرف سلف کے ذخائر و خزائن خلف کے لئے محفوظ کر دیئے بلکہ تمام مشکلات و معضلات کار کو صاف کر کے اور ضبط و اتقان و تہذیب و ترتیب و تلخیص و تشریح و نقد رجال و اسناد سے آراستہ و پیراستہ کر کے تمام آنے والی امت کے لئے اتباع سنت کی راہ بالکل سہل و آسان کر دی۔ علوم اسلامیہ پر پہلا دور تدوین کا گذرا ہے، دوسرا انضباط و تنقیح اور تہذیب و تنظیم کا، سو علم حدیث کے دور دوم میں ان دو بزرگوں کی خدمات سب پر فائق اور سب سے انفع واقع ہوئی ہیں۔ یہ انہی کی خدمات حسنہ کا نتیجہ ہے کہ آج یہ علم مقدس اس قدر صاف و سہل ہو گیا ہے کہ طالبین عمل بالسنت کے لئے کسی طرح کی عذر داری و بہانہ جوئی کی گنجائش باقی نہ رہی۔ امت کا کوئی فرد اب یہ نہیں کہہ سکتا کہ حدیث پر عمل کرنا بمقابلہ کتب جدل و خلاف وکذا عند

تقلید، و سد باب نظر و اجتہاد کے مفاسد و مصائب اس زمانے میں پوری طرح ظہور کر چکے تھے، اور مسلمانوں کی علمی و عملی تنزل کا بیج اچھی طرح بار آور ہو چکا تھا، بایں ہمہ ائمہ دین اور کاملین علوم کی ایک جماعت کثیرہ ہر حصہ ملک میں موجود تھی اور علی الخصوص دیار مصر و شام تو علماء و کاملین امت سے مملو و مشحون تھے۔ حتیٰ کہ قاضی ابوالبرکات مخزومی اپنے بائیہ میں صرف دیار شام کی نسبت کہتے ہیں ؎

وکان فی عصرہ بالشام یومئذ   سبعون مجتھدا من کل منتخب[1]

پھر یہ بھی نہیں کہ صرف ایسے ہی لوگ ہوں جن کا شمار عامۂ علماء و مشائخ میں کیا جائے بلکہ بڑے بڑے حفاظ و نقاد علوم؛ و رغواص و اعاظم نظر و اجتہاد موجود تھے جن کے بعد اس درجہ کے لوگ تمام عالم اسلامی میں پیدا نہیں ہوئے، ابوالفتح ابن سید الناس اشبیلی، شمس الدین مقدسی، ابوالعلا انصاری السبکی، قاضی ابن الزملکانی، سید ابوالمحاسن دمشقی، ابو عبداللہ حریری، ابوالعباس ابن عمر الواسطی، حافظ ابوالفداء عماد الدین، حافظ احمد بن قدامہ مقدسی، ابواسحاق السعدی، امام برہان الدین الفزاری، حافظ صلاح الدین بعلبکی، شیخ صفی الدین بغدادی، حافظ ابن شامہ دمشقی، قاضی تقی الدین دقوقی، شیخ عمر بن الوردی، امام ابوالعباس بن مجی، حافظ جمال الدین عقیلی، حافظ برزالی الاشبیلی، تقی الدین السبکی، حافظ جمال الدین المزی، امام تقی الدین ابن دقیق العید، ابوحیان صاحب تفسیر، حافظ ابو عبداللہ الذہبی، اور ان کے علاوہ بے شمار ائمہ و

---

[1] ان کے زمانے میں منتخب ستر مجتہد موجود تھے۔

اے تو مجموعۂ خوبی، بچہ نامت خوانم؟

خود حافظ ذہبی اپنے معجم شیوخ میں جب اس نادرۃ الارض وأعجوبۃ الدہر کے اوصاف ومدائح لکھتے لکھتے تھک گئے اور وہ ختم نہ ہوئے، تو بالآخر یہ کہہ کر خاموش ہو جانا پڑا" وواللہ لو حلفت بین الرکن والمقام انی ما رأیت بعینی مثلہ وانہ ما رأی مثل نفسہ لما حنثت ۔" ان کا مقام ہی اس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ مجھ جیسا شخص ان کی سیرت و فضیلت بیان کرے قسم خدا کی، اگر میں خانہ کعبہ میں عین رکن و مقام کے درمیان کھڑے ہو کر قسم کھاؤں کہ نہ تو میری آنکھوں نے اس کا مثل دیکھا نہ خود انھوں نے اپنا ہمتا، تو میری قسم سچی ہوگی اور میرے لئے کفارہ یمین نہیں" وکفاک بالذہبی شاہداً[۱]

تقی الدین اضحی بحر علم	یجیب السائلین بلا قنوط[۲]
احاط بکل علم فیہ نفع	فقل ما شئت فی البحر المحیط[۳]

حافظ ابو الحجاج مزی صاحب تہذیب جس مرتبہ کے امام الحدیث تھے، اس کا حال امام ذہبی کی مصنفات خصوصاً تذکرۃ و معاجم اور طبقات

---

[۱] اور یہ امام ذہبی کا قول ہے، اور خود امام موصوف کے تبحر و جامعیت علم کا جو حال تھا اس کے لئے ان کے شاگرد علامہ تاج سبکی کا یہ قول کفایت کرتا ہے۔ وھو رجل الرجال فی کل سبیل کانما جمعت الامۃ فی صعید واحد فنظرھا: قال فی طبقاتہ الکبریٰ۔

[۲] تقی الدین علم کا بحر ذخار ہے، سائلوں کو بغیر مایوس کئے جواب دیتا ہے

[۳] اس نے تمام مفید علوم کا احاطہ کر لیا ہے پس بحر اعظم کی وسعت کے بارے میں جتنا چاہو کہو۔

ذیہن وکن اعند فلان کے زیادہ تمسک ہے۔ بلکہ جس طالب صادق کا دل چاہے، آنکھیں بند کرے اور اس صراط مستقیم پر بے غل وغش و بے خوف و خطر دوڑتا چلا جائے۔ فھو طریقا مستقیما سہلا، مسلوکا، واسعا، موصلا الی المقصود والمطلوب! ورضی اللہ عن الذہبی حیث یقول۔

الفقہ قال اللہ قال رسولہ ان صح والاجماع فاجھد فیہ[1]

وحذار من نصب الخلاف جہالۃ بین النبی وبین رای فقیہ[2]

پس غور کرو کہ ایسے اصحاب کمال و ائمہ علم تھے جو اس عہد میں موجود تھے، با ایں ہمہ یہ حقیقت سورج کی طرح چمک رہی ہے اور ہر صاحب بصارت پر روشن کہ مقام عزیمت دعوت کا جو ایک مقام خاص ہے، وہ ان میں سے کسی کے حصے میں بھی نہ آیا۔ وہ صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہی کے لئے تھا، سب اپنے دوسرے دوسرے کاموں میں رہ گئے، لیکن انھوں نے وہ سب کام بھی ان سے بہتر کئے جو وہ سب کر رہے تھے۔ اور پھر ان سے بڑھ کر یہ کہ سب کو راہ عزیمت دعوت و تجدید و احیاء ملت میں منزلوں پیچھے چھوڑ دیا اور علوم و اعمال وہبیہ و سماویہ کی ان بلندیوں پر تن تنہا جا کھڑے ہوتے جہاں ان کے اقران و معاصرین کو یک زبان و یک قلم ہو کر اعتراف کرنا پڑا "ما راینا مثلہ وانہ ما رای مثل نفسہ" "نہ تو ہماری آنکھوں نے اس کا مثل اور نہ خود اسے کوئی اپنا سا نظر آیا۔

---

[1] فقہ اللہ کا قول اور رسول کا قول ہے اگر ثابت ہو جائے اور اجماع الت ہے پس اسمیں کاوش کر۔

[2] خبردار جہالت کی راہ سے نبی کے ساتھ فقیہ کے قول کو مخالف نہ ٹھہرا۔

نے بعینہٖ یہی جملہ دہرایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یا تو کسی عارف وجوہر شناس نے ان کے وصف میں سب سے پہلے یہ جملہ کہا تھا لیکن کچھ ایسا صحیح و موزوں واقع ہوا کہ تمام باکمالان عہد کی زبانوں پر خود بخود چڑھ گیا۔

جامۂ بود کہ بر قامت او دوختہ بود!

یا اس نادرۃ الدہر کی بے ہمتائیوں کا یہ حال تھا کہ جو نظر پڑتی تھی بے ساختہ یہی کہہ اٹھتی تھی۔ سورج کو کروڑوں آنکھیں دیکھتی ہیں، لیکن ہر آنکھ کو یہی نظر آتا ہے کہ روشن ہے۔ یہ تو کوئی نہیں کہتا کہ روشن نہیں؟ پریوں کے وجود میں لوگوں کو اختلاف ہے لیکن خوبصورت انسانوں کے بارے میں سب کی رائیں متفق ہیں۔ ایک حسین چہرہ جو دیکھے گا وہی کہے گا جو سب کی زبانوں سے نکل رہا ہے ؎

ایں نگا ہیست کہ شائستہ دیدا رے ہست

مشہودات و محسوسات میں ہمیشہ تمام اصحاب انظار و احساس یک آنکھ و یک زبان ہوتے ہیں یہاں اختلاف کی گنجائش نہیں۔ الا یہ کہ کوئی اندھا یا فاتر الحس ہو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے عہد میں بھی ایسے لوگ تھے جن کی نظروں پر تعصب و نفسانیت یا جہل و تقلید کا حجاب پڑ گیا تھا پس ان کو وہی نظر آیا جو بند آنکھوں کو نظر آسکتا ہے[1]

وما ضر نور الشمس ان کان ناظرا ؛ الیہا عیون لم تزل دھرھا عمیا

لیکن یہاں ان کا ذکر نہیں۔ اصحاب بصارت جتنے تھے ان سب نے بالاجماع یہی کہا "ما رایناہ مثلہ ولاہ ای ھو مثل نفسہ" اور یہی وہ فضائل

[1] آفتاب کے نور کو اس سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے کہ اسے دیکھنے والی ایسی آنکھیں ہیں جو مدا سے چندھی ہیں۔

کبریٰ سبکی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ان کے تمام معاصرین اس پر متفق ہیں کہ وہ نہ صرف جرح و تعدیل رجال کے امام تھے بلکہ اس فن کے اماموں کے امام۔ ہزاروں... انسانوں کی ثقاہت کا فیصلہ ان کے قبضۂ علم میں تھا بایں ہمہ یہ مقامات اور ہیں، اور نسبت نبوت، و نیابت کاملہ منصب رسالت و عزیمت دعوت کبریٰ کا مقام دوسرا ہے۔ وہ تو اس عہد میں صرف ابن تیمیہ ہی کے لئے تھا چنانچہ خود انھیں بھی وہی کہنا پڑا جو اس عہد کے تمام اصحاب حق نے کہا تھا، مارایت مثلہ ولا رای هو مثل نفسه ومارایت احداً اعلم بکتاب الله وسنة رسوله ولا اتبع لهما منه" نہ میں نے ان کا مثل دیکھا، نہ خود انھوں نے کسی کو اپنا ہمتا پایا، نہ میں نے کسی شخص کو ان سے زیادہ کتاب وسنت کا علم رکھنے والا اور کتاب وسنت کا اتباع کرنے والا دیکھا۔ حافظ موصوف نے ایک اور موقع پر کہا "لم یر مثله منذ اربع مائة سنة" چار سو برس سے ایسا باکمال پیدا نہیں ہوا۔

قمریاں پاس غلط کردۂ خود می دارند
ورنہ یک سرو دریں باغ بہ اندام تو نیست

یہاں ایک بات قابل غور ہے "مارایت مثله ولا رای هو مثل نفسه" یہ جملہ ان کے اکثر معاصرین کی زبان پر بعینہٖ جاری ہوا ہے۔ ذہبی اور مزی کی زبانی سن چکے۔ حافظ برزالی اور ابن حجی سے ایسا ہی منقول ہے۔ شیخ عماد الدین واسطی، ابن سید الناس، ابن نصر مقدسی، ابن دقیق العید وغیرہم نے بھی یہی کہا۔ الرد الوافر اور قول الجلی کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ تقریباً سو

عصر و اساطین علوم تسلیم کئے گئے تو ان کی تعداد سو سے بھی متجاوز ہو گی۔ صاحب الرد الوافر نے صرف ان علماء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے شیخ الاسلام کے مرتبہ اجتہاد مطلق و امامت فی الدین کا اعتراف کیا ہے۔ ان میں سے صرف معاصرین کو چھانٹ لیا جائے تو ساٹھ ستر سے کم نہ ہوں گے یہ سب یقیناً حسین تھے۔ اور بعض کی حسن و رعنائی پر تو ایک زمانہ فریفتہ و شیدا ہو گا اور کتنے ہی حسینان روزگار نے ان سے دلربائی و دلآویزی کے بھید اور نکتے سیکھے تاہم اس کو کیا کیجئے کہ وہ جو ایک چیز حسن و خوبروئی سے بھی بلند تر ہے، یعنی عزیمت دعوت و تشبہ بالانبیاء کی شان و آن تو اس کے لئے صرف حسن طلعت و بلندی قامت ہی کافی نہیں۔ ان باتوں کے علاوہ بھی کچھ اور ہونا چاہئے۔ اور وہ اس عہد میں صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہی کے حصہ میں آیا تھا

ہزار نکتہ دریں کار و بار دلداری ست
کہ نام آں نہ لب لعل و خط زنگاری ست

حافظ برزالی، ابوالحجاج مزی، ابن سید الناس، ابن دقیق العید، ذہبی، ابن نصر مقدسی، ابوحیان صاحب تفسیر، ان خوبان عہد کے حسن و جمال پر کون نام دھر سکتا ہے؟ لیکن وہ سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ امام ابن تیمیہ کا سا جمال ہماری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور ان کا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ ہم جیسے ان کی تعریف و توصیف کریں۔ تو غور کرنا چاہئے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جس کو یہ سب بھی نہ پا سکے؟ اس کو خود شیخ ابوحیان نے امام

بینہ و باہرہ مقام تجدید و نیابت نبوت کے ہیں جنکی نسبت بار بار کہہ رہا ہوں کہ بڑے سے بڑے سر کو بھی وہاں جھکے بغیر چارہ نہیں۔

فانک شمس والملوک کواکب　　اذا طلعت لم یبد منھن کوکب[1]

تم جانتے ہو ایک چیز خوبصورتی ہے اور ایک چیز اس سے بھی بڑھ کر ہے جس کے لئے زبان کچھ بھی نہیں کہہ سکتی لیکن آنکھ سمجھتی اور ذوق پہچان لیتا ہے۔ خواجہ حافظ نے اس کو "آن" سے تعبیر کیا ہے۔

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد
بندہ طلعت آن باش کہ آنے دارد

اور پھر جب بالکل مجبور ہو گئے تو اشارہ کرکے چھوڑ دیا۔

ایں کہ می گویند "آن" بہتر ز حسن
یار ما "ایں" دارد و "آں" نیز ہم

تو وہ جو ایک چیز ہے کہ "آنے دارد" اس کے لئے کسی کا صرف خوبصورت ہونا ہی کافی نہیں خوبصورت تو ہزاروں ہوتے ہیں مگر "آن" رکھنے والے چشم دا بمد لاکھوں خوبان روزگار میں بھی ڈھونڈے نہیں ملتے۔ اور اگر مل جائیں، تو سمجھنا چاہئے .... فطرت کی بڑی ہی فیاضی بلکہ غیر متوقع اسراف ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے عہد میں حسینوں اور غوبردیوں کی کمی نہ تھی۔ معاجم ذہبی اور درر کامنہ عسقلانی سے اگر اس عہد کے صرف ایسے علمائے کبار کی ایک فہرست تیار کرلی جاتے جو اپنے کمال علم و عمل کی بنا پر ائمہ

---

[1] تو آفتاب ہے اور بادشاہ ستارے ہیں، جب تو طلوع ہوتا ہے تو ان میں سے کوئی ستارہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

قام ابن تیمیۃ فی نصر شرعتنا　　مقام سید تیم اذ عصت مضر[1]
فاظهر الحق اذ اثارہ درست　　واخمد الشر اذ طارت لہ شرر[2]
کنا نحدث عن حبر یجئ، فہا　　انت الامام الذی قد کان ینتظر[3]

تو یہ جو کہا کہ "مقام سید تیم" اور "انت الامام الذی قد کان ینتظر" سو یہی وہ چیز ہے کہ اوروں کو سب کچھ ملا تھا مگر یہ چیز نہیں ملی تھی' اور یہی ہے کہ ہمیشہ سیکڑوں اصحاب طریق میں سے کسی ایک رجل الرجال ہی کے حصے میں آتی ہے۔ شیخ نجم الدین اسحاق نے اپنے مشہور بائیہ میں بھی اسی چیز کی طرف اشارہ کیا تھا

وقد علم الرحمن ان زماننا　　تشعب فیہ الرای ای تشعب[4]

بقیہ صنث۔ کی نسبت مان لی جائے اور حافظ سخاوی کی سیوطی کی نسبت' تو اس کا نتیجہ صرف یہی نکلے گا کہ ہم دونوں سے بدظن ہو جائیں گے، حالانکہ دونوں حسن ظن اور اعتقاد کے مستحق ہیں۔ بڑے بڑے اعاظم علم و عمل کو اس بارے میں لغزش ہوئی' اور ہم کو یقین ہے کہ ان کی خدمات کثیرہ و عظیمہ علم و عمل کے مقابلے میں یہ لغزش ضرور بخشدی جائے گی۔ ہم بے مایگان علم و تہی دستان عمل کو زیبا نہیں دیتا کہ ان میں سے کسی کی نسبت بھی حرف سو نکالیں یا ان کے ادب و تعظیم میں مضائقہ کریں۔ جنھوں نے اشرفیاں کمائی تھیں انھوں نے ایک مٹھی مٹی کی بھی بھر لی۔ لیکن ہمارے دامن میں بجز گرد و خاک کے اور کیا ہے؟ ربنا اغفر لنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان و لا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا۔ [1] ہماری شریعت کی حمایت میں ابن تیمیہ نے وہ کیا جو بنی تیم کے سردار (حضرت ابوبکر) نے کیا تھا جب قبائل مضر نے سرکشی کی تھی۔ [2] انھوں نے حق کو اس وقت نمایاں کیا جب اسکے نشان تک مٹ چکے تھے' اور شر کی آگ اس وقت بجھا دی جب اس کے شرارے بلند ہو چکے تھے۔ [3] ہم ایک حبر امت کی آمد کا چرچا سنتے تھے جسے اب ہم نے پالیا وہ امام تو ہی ہے جسکا انتظار کیا جا رہا تھا۔ [4] رحمن جانتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں (شریعت کی جگہ) رائے کس قدر پھیل گئی ہے۔

ابن تیمیہ کی ایک مجلس دیکھتے ہی کہہ دیا تھا[1]

[1] یہ وہی ابوحیان امام النحو والادب ہیں جن کی تفسیر بحر المحیط اور اس کا مختصر نہر مصر میں چھپ گیا ہے۔ حافظ عسقلانی نے درر کامنہ میں ذہبی سے نقل کیا ہے کہ جب امام ابن تیمیہ مصر گئے تو شیخ ابو حیان سے ملاقات ہوئی پہلی ہی مجلس میں اس درجہ معترف ہوئے کہ فی البدیہہ اشعار مذکورۂ متن ان کی مدح میں کہہ کر سنائے اور کہا "واللہ ما رات عینای مثل ھذا الرجل" لیکن بعد کو صحبت سازگار نہ ہوئی۔ نحو کے کسی مسئلہ میں ابوحیان نے سیبویہ کا حوالہ دیا۔ ابن تیمیہ نے کہا۔ یہ سیبویہ کی ان اسی غلطیوں میں سے ایک غلطی ہے جو اس نے قرآن کے متعلق کی ہیں۔ وما کان سیبویہ نبی النحو ولا معصوماً۔ اس پر ابوحیان نہایت برافروختہ ہوئے اور پھر آخر تک مخالف رہے۔ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں " وصیر ذالک ذنبا لا یغفر" یہی وجہ ہے کہ تفسیر میں ایک موقعہ پر امام ابن تیمیہ کا ذکر اس طرح کیا ہے جس سے نفرت و مخالفت ٹپکتی ہے. کیا خوب فرمایا حبر الامت حضرت ابن عباس نے "استمعوا علی العلماء ولا تصدقوا بعضہم علی بعض فوالذی نفسی بیدہ لھم اشد تغائراً من التیوس فی زروبھا" وقال بعض الائمۃ "یوخذ بقول العلماء فی کل شیئ الا قول بعضھم فی بعض" حافظ ابن عبد البر نے کتاب العلم میں یہ اقوال نقل کئے ہیں اور حافظ ذہبی نے قول العلما بعضہم فی بعض پر ایک رسالہ لکھا اور کہا معاصرت سے بڑھکر علما کیلئے کوئی ابتلاء نہیں۔ "ولو فتحنا ھذا الباب واخذنا بقول المعاصرین بعضھم فی بعض لما سلم لنا احد من الائمۃ بل اجل الصحابۃ والتابعین۔ اور یہ بالکل حق ہے۔ امام ابن عبد السلام کا قول اگر حافظ ابن الصلاح کی نسبت ہم قبول کرلیں اور حافظ ابن صلاح کا ابن عبد السلام کی نسبت، یا حافظ سیوطی کی رائے حافظ سخاوی (بقیہ ص۷۱)

واستعداد اور مقتضیات کے مطابق درجہ بدرجہ علاج کرنا اور ہر مریض کو اس کی حالت کے مطابق نسخہ دینا اعمال مہمہ و مختصہ نبوت میں سے ہے، اور یتلوعلیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ[1] میں "یزکیھم" اسی جانب اشارہ، پس انبیاء کرام کے بعد یہ مقام صرف انہی نفوس خاصہ کو حاصل ہو سکتا ہے جو اسوۂ حسنۂ نبوت اور اخلاق وصفات نبویہ کے کامل تاسّی اور سنتِ سنیۂ خالصہ و محضہ کے کمال اتباع و تفانی سے وراثت و نیابت انبیاء و رسل کے مرتبہ پر پہونچ جاتے ہیں، اور معالجۂ نفوس و ننداوی ارواح و قلوب و طبابت اقوام و ملل کے تمام اسرار وخفایا۔ ان پر اس طرح کھل جاتے ہیں کہ بقول صاحب تفہیمات "گویا ہمہ رامیان ہر دو چشم خود متمثل و متشبح می بینند" و نہ از چشم بصیرت بلکہ از چشم سر مشاہدہ می کنند" کا مقام کشف و رفع حجب حاصل ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے: "ہم حراس القلوب، جواسیس الارواح، الامناء علی السرائر والخفیات، المطلعون علی ما اضمرت بواطن العباد، والنظرت علیہ النیات" وہ دلوں کے نگراں و نگہبان، روحوں کی جاسوسی کرنے والے، رازوں اور بھیدوں کے خزانچی، اور سینوں کے اندر کی چھپی ہوئی باتوں اور دلوں کی تہ کی نیتوں کے خبر رکھنے والے لوگ ہیں! تو اگرچہ اس عہد میں بڑے بڑے اصحاب علم و عمل موجود تھے مگر "علیم بادواء النفوس" اور "الطبیب المجرب" ہونے میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا، اور کچھ تھا تو مرتبہ قوت نظری سے قوت عملی تک نہیں پہونچا تھا۔ و ذالک

[1] انھیں اس کی آیتیں سنائے پاک کرے اور کتاب و حکمت سکھائے۔

فجاء بحبر عالـم من سراتهم | لسبع مئین بعد هجرة یثرب[1]
یقیم قناة الدین بعد اعوجاجها | وینقذها من قبضة المتعصبا[2]
مجاهد فی ذات الالہ بنفسہ | وبالمال والاهلین والام والاب[3]
ومن رام حبراً ودنہ الیوم فی الوریٰ | فذاک الذی قد رام عنقا مغرب[4]
علیم بادواء النفوس یسوسها | بحکمتہ فعل الطبیب المجرب[5]

آخری شعر محض شاعرانہ مدّاحی نہیں ہے۔ ایک نہایت ہی دقیق نکتہ کی طرف اشارہ ہے "علیم بادواء النفوس" اور "بحکمتہ فعل الطبیب المجرب" یعنی مقام نبوت کی وراثت و نیابت کاملہ۔ یہ بات کہ جس طرح ایک طبیب حاذق ہر طرح کی بیماریوں اور ان کے اسباب و آثار و نتائج کو جانتا اور ہر عمر و مزاج کے بیماروں کا علاج کرتا، اور کمال حذاقت و فراست طبیہ کی وجہ سے صرف چہرہ دیکھ کر یا نبض پر انگلیاں رکھ کر سب کچھ سمجھ لیتا اور پرکھ لیتا ہے، اسی طرح جماعت و ملت کے تمام امراض جدیدہ و مزمنہ اور ظاہرہ و مخفیہ کا نباض ہونا، اور انسان کی ذہنی و نفسی اور روحانی و معنوی... بیماریوں کو بہ یک نظر تفرس پہچان لینا اور ٹھیک ٹھیک اس کی حالت

---

[1] لیکن علماء کے سرداروں میں سے ایک عالم متبحر ہجرت مدینہ سے سات سو برس بعد ظاہر ہوا ہے۔

[2] اس نے کجی کے بعد دین کا راستہ پھر سیدھا کر دیا ہے اور دین کو متعصبوں کے پنجہ سے چھڑا لیا ہے۔

[3] اس نے اپنی جان، مال، اہل و عیال، اور ماں باپ سب سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے۔

[4] آج اسے چھوڑ کر مخلوق میں کسی آور حبر کو تلاش کرنا عنقاء مغرب کا تلاش کرنا ہے۔

[5] تمام نفسی بیماریوں کا ماہر ہے اور طبیب مجرب کی طرح اپنی حکمت سے قلوب کی قیادت کرتا ہے۔

استحضار السنۃ واستخراج الحجج منہا بحیث یصدق علیہ ان یقال کل حدیث لا یعرفہ ابن تیمیہ فلیس بحدیث ولکن الاحاطۃ للہ تعالیٰ۔[1]

---

[1] حافظ ذہبی نے امام ابن تیمیہ کا ترجمہ سات سے زیادہ موقعوں پر لکھا ہے۔ ہر مقام پر پوری تفصیل سے حالات لکھتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے لکھتے ہوئے جوش ارادت واضطراب عقیدت سے بے خود ہو ہو جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ تفصیل تینوں معاجم میں کی ہے۔ یعنی کبیر، اوسط، صغیر میں۔ اور چونکہ بہ لحاظ اخذ و سند و اجازت مسند امام احمد و سماعت روایات، و قرات مصنفات، امام ابن تیمیہ کے شاگردوں میں داخل ہیں، اس لئے اپنے معجم شیوخ میں بھی حالات لکھتے ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ تذکرۃ الحفاظ میں بالاختصار اور تاریخ الاسلام کبیر میں بالتفصیل تذکرہ کیا ہے اور خصوصیت کیساتھ ان کے ابتلاؤ محن اور واقعات مصریہ و شامیہ کے حالات لکھتے ہیں۔ امام موصوف کی ایک مشہور کتاب منہاج السنت ہے۔ اس کو انھوں نے مختصر کیا تھا اس کے دیباچہ میں بھی مفصل ترجمہ درج کیا ہے علاوہ بریں ابن تیمیہ کی اکثر مصنفات اپنے قلم سے لکھی ہیں ان کے آخر میں یہ ظاہر کرتے ہوتے کہ میں نے خود مصنف سے بہ شرائط قرات و سماعت اجازت لی، مختصراً تذکرہ حالات و مناقب بھی کر جاتے ہیں من احب شیئاً اکثر ذکرہ۔ قول مندرجہ متن معجم کبیر میں ہے۔ حافظ ابن ناصر الدین شافعی نے الرد الوافر میں اور حافظ عسقلانی و سیوطی نے درر کامنہ و طبقات الحفاظ میں یہ تمام اقوال یک جا کر دیئے ہیں۔ نیز حافظ ابن قدامہ و حافظ عماد الدین واسطی اور ابو حفص بزاز وغیرہم نے سیرت ابن تیمیہ میں۔ اور واضح رہے کہ صرف حافظ ذہبی ہی کا یہ حال نہیں ہے۔ الرد الوافر میں تقریباً ایک سو اکابر و مشاہیر عہد و قریب العہد کے اقوال نقل کئے ہیں جنہوں نے بالاتفاق ان کے مجتہد مطلق، امام العصر، نادرۃ الدہر، نابغۃ الاسلام، اوحد الزمان، مجدد کتاب و سنت، محی الملت، انموذج الخلفاء الراشدین، اخر الائمۃ المجتہدین، مفتی الفرق، الامام فی کل علم وفن، اعجوبۃ

بقیہ برصفحہ ۷۶

من عمل النبوۃ" یہ بات صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہی کے حصے میں آئی تھی، اور ہر عہد میں صرف وارثا، ونقباء نبوت و اصحاب عزائم وتجدید ہی کے حصے میں آتی ہے۔ یہی چیز ہے جس کی طرف حافظ ذہبی نے ان کے حالات میں اشارہ کیا کہ "ولقد نصر السنۃ المحضۃ والطریقۃ السلفیۃ واحتج لہا ببراہین ومقدمات وامور لم یسبق الیہا واطلق عبارات احجم عنہا الاولون والآخرون"

یعنی ابن تیمیہ نے سنت محضہ اور طریقت خالصہ سلف و وائل کی حمایت کی اور اس کے لئے ایسی دلیلوں اور مقدموں سے احتجاج کیا جو ان سے پہلے کسی سے بھی بن نہ آئے۔ تو یہ جو کہا کہ "نصر السنۃ المحضۃ" تو ایک عجیب نکتہ کہہ دیا اور گویا ابن تیمیہ کی پوری سوانح عمری بیان کردی۔ یہی وہ فضل خصوصی ہے جو ذہبی اور برزالی و مزی، و ابن دقیق العید جیسے شیوخ عہد کے سروں کو بھی ابن تیمیہ کے سامنے اطفال مکاتب کی طرح جھکا رہا ہے۔ صدر اول کے بعد سے ہدی سنت کا معاملہ بہت نازک ہوگیا۔ ایک راہ "اتباع سنت کی ہوگئی ایک اتباع "سنت خالص و محض" کی، والقصۃ بطولہا۔ تو اس عہد میں علم و عمل سنت والے ضرور تھے مگر "سنت محضہ و خالصہ" کا مقام صرف ابن تیمیہ ہی کو ملا تھا۔ اور اسی کمال تشبہ و تخلق بصفات نبوت اور بے میل و بے داغ اتباع و تفانی سنت نے ان کو اعمال نبوت کی وراثت کاملہ و نیابت حقہ کے منصب ارفع و اعلیٰ پر پہونچا دیا تھا۔ ع

لے گل بہ تو خورسندم تو بوئے کسے داری!

یہی حافظ ذہبی ایک دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں "وھو عجیب فی

سطر کے اندر سب کچھ آگیا ہے ابن تیمیہ کی نسبت کہا جا سکتا تھا - ایسے ممدوح
کے لئے ایسے ہی مداحوں کے قلم و زبان کی ضرورت تھی - پس یہ چیز کہ کمال علم
کتاب و سنت کے ساتھ کمال عمل کتاب و سنت بھی جمع ہو جائے، وہ فضل مخصوص
ہے جس کے بغیر نبوت کا پورا پورا علمی و عملی ورثہ نہیں مل سکتا - گو بقدر استعداد و استحقاق
ہر سالک طریق کے حصے میں کچھ نہ کچھ ضرور آتا ہے۔

توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے!
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ ہوا تھا

اور یہ جو کہا تو صرف جوش عقیدت کی مداحی نہیں ہے، بلکہ ان کے معاصرین میں
جو لوگ صاحب نظر و نقد تھے، خود ان کی زبانوں سے بعینہ یہی حقیقت نکل
چکی ہے - حافظ ابو العباس عماد الدین واسطی الحزامی صاحب "البلغہ فی الفقہ"
باعتبار علم کے شیخ العصر اور باعتبار عمل زہد و ورع کے بڑے بڑے اہل اللہ اور
اصحاب طریقت کے ممدوح و مقصود تھے. حافظ ذہبی نے ان کو اپنے شیوخ
کتب میں شمار کیا ہے [1] - کتاب المشتبہ میں ان کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں،
"قال شیخنا القدوۃ عماد بن الحزامی"، یہی حافظ عماد الدین ایک رسالہ
میں جو اصحاب و تلامذۂ ابن تیمیہ کے نام لکھا ہے، لکھتے ہیں "واللہ ثم واللہ،
لم یر تحت ادیم السماء مثل شیخکم ابن تیمیہ علما و عملاً، وحالاً و
خلقا و اتباعا و کرما و حلما، و قیاما فی حق اللہ تعالیٰ عند انتہاک
حرماتہ - قریب قریب ایسے ہی الفاظ ہیں - اس کے بعد پھر

---

[1] یہاں اصل میں ایک پر از معلومات فٹ نوٹ تھا جسے "تذکرہ" میں دیکھنا چاہئے۔

یعنی علوم سنت کے استحضار اور ان سے دلائل و براہین کے استنباط میں ان کا رسوخ و احاطہ عجیب و غریب ہے۔ یہاں تک کہ ان پر یہ بات صادق آتی ہے کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں! اور معجم شیوخ میں لکھتے ہیں "نصر السنۃ المحفوظۃ حتی اعلی اللّٰہ تعالیٰ منارہ وجمع قلوب اھل التقویٰ علی محبتہ" تو سنت محفوظ کا علم و عمل ہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جو اعمال نبوت کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ حافظ برزالی کا قول شاید اوپر گذر چکا ہے "ما راینا احداً اعلم بکتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ ولا اتبع لہما منہ" ہم نے ابن تیمیہ سے بڑھ کر نہ تو کسی کو کتاب و سنت کا عالم دیکھا اور نہ عامل۔ سبحان اللہ کیسے جامع و مانع لفظوں میں تعریف کی ہے کہ اس آدمی

بقیہ ص۷۵ علماء القرون الوسطیٰ ہونے کا ایسے لفظوں میں اعتراف کیا ہے جن سے زیادہ توصیف و تمجید کے الفاظ نہیں ہو سکتے ؎

نہ من برآں گل عارض غزل سرایم و بس

کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار آمند

یہ حال تو معاصرین اور قریب العہد علماء کا ہے۔ بعد کے مورخین کا یہ حال ہے کہ اکثر اکابر مصر و شام کے مشاہیر علماء و ائمہ عصر نے تقریظیں لکھی ہیں۔ ان میں حافظ ابن حجر عسقلانی اور قاضی عینی حنفی شارح بخاری بھی ہیں۔ قاضی عینی لکھتے ہیں جو شخص ابن تیمیہ کے مراتب عالیہ علم و عمل و اجتہاد و امامت سے انکار کرتا ہے وہ یا تو مجنون ہے، یا کمال سفیہ و بلید، یا سخت شریر و مفسد۔ حافظ عسقلانی کی رائے اس تقریظ پر موقوف نہیں۔ ان کی شیفتگی و ارادت کا جو حال ہے وہ درر کامنہ سے ظاہر ہوتا ہے جس میں نہایت شرح و بسط سے ترجمہ لکھا ہے اور معاصرین کی شہادتیں انکے فضل و کمال مخصوص پر جمع کی ہیں۔

مطیع و محب کا مطاع اور محبوب کے تمام صفات و خصائص سے متمثل و متخلق ہو جانا' اور بحکم "من کان اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما[1] اور حتی یکون ھواہ تابعاً لما جئت بہ[2]" اس درجہ اعتقاداً و عملاً استغراق محبت رسول و ترک ماسواہ کہ بحکم "ومن یطع اللہ و رسولہ فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم[3] الخ" کامل مرتبہ معیت و یگانگت سے بہرہ اندوز و فائز المرام ہونا اور

فاذا نصرتہ ابصرتنی

کے معاملہ کا پیش آجانا۔ نہ وہ "اتحاد" جو ملاحدہ حلولیہ کا اتحاد ہے اور جو فی الحقیقت انسان کے تمام مخترعہ اقسام شرک میں سے اکبر و اغلظ قسم شرک کی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ کیونکہ فی الاصل "اتحاد" مصطلحۂ اصحاب حق و توحید کے معنی اس سے زیادہ نہیں کہ تخلقوا باخلاق اللہ[4]۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

حافظ ابن کثیر (صاحب تفسیر) نے اپنی تاریخ کبیر "البدایۃ والنہایۃ" میں اپنے شیخ عماد الدین واسطی کی نسبت لکھا ہے کہ ابتدا میں ان کا مسلک دوسرا

---

[1] جسے اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ پیارا ہو۔

[2] یہاں تک کہ اس کی خواہش میری شریعت کے تابع ہو جائے۔

[3] جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے اپنی نعمت اتاری ہے الخ۔ [4] خود اللہ کے سے اخلاق حاصل کرو۔

ایک موقعہ پر لکھتے ہیں "و و اللہ ما رأینا فی عصرنا ھذا من تستجلی النبوۃ المحمدیۃ وسنتہا من اقوالہ و افعالہ الا ھذا الرجل یشھد القلب الصحیح ان ھذا ھو الاتباع حقیقۃ" یعنی قسم خدا کی! آسمان کے نیچے آج تمہارے شیخ ابن تیمیہ کا نظیر و مثیل کوئی دکھائی نہیں دیتا نہ علم میں نہ عمل میں نہ حال میں نہ اخلاق میں، نہ اتباع حق اور نہ شیوۂ کرم و کمال حلم میں، اور نہ اللہ اور اس کے شعائر کے حفظ و قیام کی راہ میں، اور قسم خدا کی! ہم نے اپنے زمانے میں کسی کو نہ دیکھا جس کے اقوال و افعال سے نبوت محمدی کے انوار اور ان کی سنت کی روشنیاں چھن چھن کر نکلتی ہوں۔ الا ابن تیمیہ کہ ان کو دیکھ کر دل بے اختیار بول اٹھتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی اتباع اسے کہتے ہیں اور ایسا ہوتا ہے۔ انتہیٰ۔

یہ حافظ موصوف کی شہادت ہے۔ میں کہتا ہوں اسوۂ محمدی کے کے کامل تاسی اور علوم و معارف نبوت کے کامل استفاضہ کا یہ وہ مقام ہے جس کو اصحاب اشارات نے "نسبت محمدی" سے تعبیر کیا ہے، تو یہ "نسبت محمدی" ہے۔ اور "فیض محمدی" کا وہ استفاضۂ تامہ جس کی نسبت صاحب فتوحات نے کہا کہ امت مرحومہ کے لیے قطبیت و فاتحیت اور ولایت کبریٰ کا منتہی مرتبہ ہے۔ اور پھر یہی وہ حقیقت ہے، جس کو بعض اصحاب اصطلاح نے "اتحاد" کے مقام سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اتباع اور تعشق و تشبہ بالانبیاء کے کمال تفانی و استہلاک سے بحکم "المرء مع من احبہ"

عن المرء لا تسئل، وسل عن قرینہ[1]

---

[1] اگر کسی کی حالت جاننا ہے تو خود اس کی نہیں اس کے ہم نشینوں کی حالت کی جستجو کرو۔

فلم أر الا واضعا کف حائر	علی ذقن او قارعا سن نادم[1]

اور کہا کہ بعضوں نے اپنی ست العمر کے قیل وقال اور کیف ولماذا کا حاصل یہ بتلایا ہے (دراصل اشعار بالا شہرستانی کے اور آتیہ امام رازی کے ہیں)

نهایة ارباب العقول عقال	واکثر سعی العالمین ضلال[2]

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا	سوی ان جمعنا فیہ قیل وقالوا[3]

آخر میں ایک ایسے قاطع وارفع طریق سے جو سارے شکوک مٹا دینے والا اور ساری بے چینیوں سے نجات دلا دینے والا تھا، ثابت کیا کہ جن لوگوں نے اپنی محرومی ومحجوبیت اور کوری ومجہولیت پر خود یہ کچھ شہادتیں دی ہیں ان کی پیروی سے کب باب معرفت تک رسائی ہو سکتی ہے؟ قلت وما احسن قول الشاعر العارف۔

آن لعل گران بہا ز کان دگر است	واں در یگانہ ز نشانے دگر است

اندیشۂ این وآن خیال من وتست	افسانۂ عشق را بیانے دگر است

پس حقیقت وہی ہے جس کو وحی الٰہی اور حاملین منصب نبوت اور ان کے اصحاب واتباع نے دنیا کے آگے پیش کیا، اور شک وظن کی ظلمت ومحجوبیت علوم سماویہ اور نبویہ کی یقینیات وبراہین کا دروازہ نوع انسانی پر کھول دیا،

---

[1] مگر ہر جگہ میں نے دو ہی قسم کے لوگ دیکھے۔ حیرت سے انگشت بدنداں یا ندامت سے غرق عرق۔

[2] معقولات والوں کو نتیجہ میں بیڑیاں ملتی ہیں اور دنیا کی اکثر کوششیں گمراہی ہوتی ہیں۔

[3] ہم نے اپنی پوری زندگی کی تحقیقات سے صرف یہ پایا کہ لوگوں کا قیل وقال جمع کر لیا۔

تھا۔ پھر دوسرا ہی رنگ چڑھ گیا اس تبدیلی کا باعث صرف امام ابن تیمیہ کی ایک صحبت ہوئی۔ ان کی نشو ونما فقہاء و متکلمین کی جماعت میں ہوئی تھی اس لئے جدل وخلاف اور کلام و رائے کا اثر غالب تھا۔ مصر سے بغداد گئے تو وہاں خیالات میں توسیع ہوگئی اور اپنی حالت کا محاسبہ کیا تو یقین و طمانیت سے قلب خالی پایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فقہاء و متکلمین کے طریق سے دل برداشتہ ہوگئے اور تصوف کی طرف توجہ ہوئی، لیکن عامہ متصوفین کی صحبتوں کا جو رنگ ڈھنگ نظر آیا اس سے طبیعت اور زیادہ مکدر ہوگئی بالآخر دمشق آئے اور امام ابن تیمیہ کی صحبت میں داخل ہوئے، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ صحبت درس میں حاضر ہوا تو عجیب اتفاق ہے کہ علم کلام ہی کی نسبت صحبت تھی۔ امام موصوف فرما رہے تھے "دنیا میں متکلمین و فلاسفہ سے بڑھ کر مضطرب ومحروم واطمینان قلب و سرور روح کی لذت سے یک قلم ناآشنا اور کوئی گروہ نہیں" پھر مشاہیر فلاسفہ قدماء و ارباب مقالات کے چند اقوال سنائے جن میں انھوں نے خود اپنے وجود پر مجہولیت و نامرادی اور بدحالی و بے بصیرتی کی شہادت دی ہے۔ اسی سلسلے میں امام رازی کے اشعار پڑھے کہ ان کی مدت العمر کی کاوش وتعمق اور طلب وجستجو کا ماحصل یہ تھا۔

لعمری لقد طفت المعاهد کلها
وسیرت طرفی بین تلک المعالم[1]

---

[1] قسم سے کہتا ہوں کہ تمام مقامات کا میں نے طواف کیا اور علم کی تمام جگہوں میں میری نظر نے چکر لگایا۔

شیخ عماد الدین واسطیؒ نے امام موصوف کی جس صحبت کا ذکر کیا ہے
تو یہ مبحث منجملہ ان اہم ترین مباحث شریعت اور دقیق ترین معارف کتاب و
سنت کے ہے جن کی کشف و تحقیق اور بحث و تنقیب امام ابن تیمیہ کے حصے میں
آئی۔ حقیقت اگرچہ سلف کے یہاں حالاً و عملاً بحدکمال موجود تھی، لیکن قولاً و عملاً
اس کو منتہا درجہ بحث و تحقیق تک پہنچا دینا اور بطریق جوامع و قواعد اس کا اثبات
کرنا اور اس درجہ منقح و صاف کر دینا کہ لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً کا
جملہ اس پر صادق آئے، تو یہ فضل مخصوص صرف امام موصوف اور ان کے اصحاب
و تلامذہ ہی کے حصہ میں آیا۔ اسی لئے امام ذہبی نے کہا "ولقد نصر السنۃ
المحضۃ والطریقۃ السلفیۃ واحتج لها ببراہین ومقدمات وامور
لم یسبق الیها، واطلق عبارات احجم عنها الاولون والآخرون[1]" اور

---

[1] خالص سنت اور طریق سلف کی نصرت و حمایت کی اور ایسے دلائل و براہین و مقدمات سے
کام لیا کہ کبھی کسی کو نہ سوجھے تھے اور ایسی عبارتیں استعمال کیں کہ اگلے پچھلے ان کے استعمال سے جھجکتے تھے۔

اور جس کے علم و عمل کا نمونہ سلف صالح و اوائل امت مرحومہ تھے۔ من السابقین الاولین من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان" رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔ شیخ موصوف کہتے ہیں اس ایک ہی صحبت میں سارے پردے شکوک و اضطراب کے اٹھ گئے، اور میرے دل نے حلاوت ایقان و طمانیت کی لذت پالی۔ میرا دل بے اختیار پکار اٹھا جس نور حقیقت کی جستجو میں سرگرداں و حیران ہوں، اس کی شعائیں امام ابن تیمیہ کے ناصیۂ امامت پہ چمک رہی ہیں، جب وہ میرے حالات پر مطلع ہوئے تو وصیت کی کہ ساری چیزیں چھوڑ کر صرف سیرت نبویہ کے مطالعہ اور تدبر و تفکر کو اپنے اوپر لازم ٹھہرا لو۔ یقین اور ایمان کی تمام بیماریوں کے لئے یہی ایک نسخہ کافی ہے۔ چنانچہ میں نے یہ وصیت حرز جان بنائی، اور جو کچھ پایا اسی کے وسیلہ سے پایا۔

شیخ موصوف نے صرف سیرت طیبہ کے مطالعہ ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ کمال شغف و ربط قلب سے اس باب میں بعض مفید تالیفات بھی کیں۔ از اں جملہ سیرت ابن اسحاق کا خلاصہ ہے جس کی حافظ ذہبی نے بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ گو ماخوذ اس کا تہذیب ابن ہشام ہے لیکن حسن تبویب و اضافہ، فوائد کے لحاظ سے مستحق ترجیح ہے۔
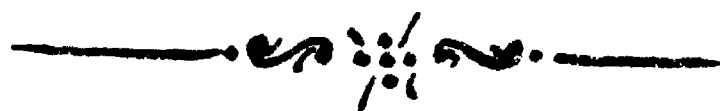
دبا ماندگی پرکہ صدیوں سے یہ خزائن معارف دکنوز حقائق موجود ہیں مگر کوئی ان کا شناسا و عارف پیدا نہ ہوا۔ ہمیشہ غفلت وجہل اور تعصب وجمود کی تاریکیوں میں مدفون ومجہول رہے۔ وھذہ لیست اول قارورۃ کسرت فی الاسلام وکم من نوبۃ قد دمواالحق والعلم عن قوس واحدۃ۔ علی الخصوص آج کل مسلمانوں میں جس فتنۂ عقائد نے سر اٹھایا ہے، اور بحکم بل قالوا مثل ما قال الاولون وہ تمام فتنے اکٹھے ہوکر پلٹ آئے ہیں جو عقائد اسلامیہ کے مختلف دوروں میں فرداً فرداً ظاہر ہوئے تھے اس کے لحاظ سے تو معارف ابن تیمیہ سے بڑھ کر اور کوئی چیز مطلوب و مقصود وقت نہیں۔ البتہ ضرورت بہت کچھ اضافۂ مطالب، و تفصیل اجمال، و توضیح اشارات، و ضبط و تالیف اشتات و انتشار کی ہے، اور اس کا بہترین محل وموقعہ امام ابن تیمیہ اور ان کے اصحاب و تلامذہ کی سیرت میں مل سکتا ہے۔ اس چیز کا خیال عرصے سے تھا۔ لیکن یہ سطور لکھتے ہوئے بے اختیار اس کام کی طرف دل مائل ہو رہا ہے۔ اگر تفسیر کے سلسلے سے ذرا بھی مہلت ملی تو انشاء اللہ سیرت ابن تیمیہ کی ترتیب پر متوجہ ہوں گا۔ باقی اصل مبحث تو الحمدللہ تفسیر البیان میں بہ تحت سورہ بقرہ نہایت شرح وبسط سے لکھا جاچکا ہے، اور جستہ جستہ دیگر مقامات تفسیر میں بھی اس کی تحقیق و توضیح ہوچکی ہے، اس موضوع پر بعض دیگر تالیفات بھی پیش نظر ہیں۔ لیکن ابھی یہی نہیں معلوم ہے کہ یہ تمام اوراق پریشان جن کو بلا فکر مآل و مستقبل لکھتا جاتا ہوں، اور (بقول ابن رشد) اس شخص کی طرح جو اپنے آتش زدہ مکان کا سامان جلد جلد کھڑکی سے باہر پھینک رہا ہو، باوجود ہجوم نوازل، و انبوہ زلازل، و احاطۂ

اسی لئے ان کا مرتبہ تجدید اور رفاتحیت تمام مجددین و فاتحین اعصار و اخریں سب سے بالاتر و ارفع واقع ہوا کیونکہ اکثر مجددین امت کی تجدید و دعوت متعلق اعمال و فروع کے ہے، لیکن امام موصوف کی تجدید براہ راست علوم وعقائد و اسوں و اساسات شریعت سے متعلق ہوئی، پس جو نسبت اصل و فرع میں ہے۔ وہی نسبت ان کے مرتبہ تجدید اور مجددین متاخرین امت کے مراتب میں سمجھنی چاہئے۔ اسی لئے گو ان کا ظہور دور متاخرین میں ہوا لیکن بلحاظ مرتبہ و معنویہ کے داخل صفوف اوائل و اسلاف امت و مصداق صحیح و آخرین منھم لما یلحقوا بھم ہوتے۔ اور پھر اسی لئے سلسلہ اصلاح و تجدید امت میں ان کی دعوت خلف کے لئے واسطۃ العقد کا برزخ واقع ہوئی جو خلف کو سلف سے جوڑتی اور اواخر پر اوائل کے فیضان و برکات کا دروازہ کھولتی ہے۔ وما احسن ما قال الشیخ بدر الدین بن عز المغیثی فی رثائہ رحمۃ اللہ علیہما۔

فلئن تاخر فی القرون لثامن   فلقد تقدم فی العلوم امام[1]

بہرحال اصحاب تاویل و رائے اور متکلمین و اتباع فلاسفہ کی بے حاصلی و نامرادی، اور سلف امت و اصحاب تفویض کے مذہب حق و طریق حکمت اور عقلیات صادقہ کے اثبات و نصرت میں امام ابن تیمیہ کے مباحث و مقالات اور براہین قواطع کا عالم ہی دوسرا ہے، اور افسوس امت کی محرومی

---

[1] اگر اسے اوائل میں ہونے کی فضیلت حاصل نہیں ہوئی بلکہ آٹھویں صدی میں پیدا ہوا ہے تو اس سے کوئی حرج نہیں جب کہ وہ علوم و فنون میں پیش قدمی کر گیا ہے اور امام ہے۔

بابؔ

بہرحال اس واقعہ میں قابل غور وہ عشق و شغف ہے جو امام موصوف کو خصوصیت کے ساتھ سیرت نبویہ سے تھا - ایک سرسری نظر رکھنے والا تو اس واقعہ کو معمولی سی بات سمجھ کر معرضانہ آگے بڑھ جائے گا - لیکن صاحب نظر و بصیرت اسی ایک بات سے امام موصوف کے تمام علوم و اعمال کا محور و مرکز معلوم کر لے سکتا ہے -

انھوں نے ایک ایسے صاحب علم مگر مریض شک و اضطراب کو جو مدعیان علم و حکمت کی دانش فروشیوں کے ہاتھوں اپنا یقین و ایمان ضائع کرچکا تھا، یہ وصیت کہ ساری چیزیں چھوڑ کر صرف حیات طیبہ نبوت کے مطالعہ و تفکر میں لگ جاؤ گویا اس طرح بتلایا کہ علم و بصیرت کا سرچشمہ حیات نبوت اور منہاج مقام رسالت ہے - جس کو قرآن حکیم نے "الحکمۃ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے - ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا[1] - یہی "خیر کثیر" مبدأ جمیع خیرات و برکات ارضی

---

[1] جسے حکمت ملی ہے اسے بہت بھلائی بھی مل گئی ہے -

حوادث، و تشتت بال، و بے سروسامانی حال جس قدر بھی فراغ خاطر ساتھ دیتا ہے، صحبت قرطاس و قلم و تسوید واردات و افکار میں کمی نہیں کرتا، کبھی جمعیت و ترتیب اور صورت انطباع و اشاعت بھی نصیب ہوگی یا نہیں؟ البتہ مزدور کا کام محنت ہے اور چاکر کا کام چاکری۔ بعد کی فکر ہم کو نہ کرنی چاہیئے اور نہ کرنے سے کچھ حاصل۔

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

شیخ واسطی نے امام موصوف کے جو اشارات متکلمین و ارباب تاویل کے باب میں نقل کئے ہیں۔ ان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ انھوں نے اپنے مشہور مقالہ عقیدۃ الحمویہ میں لکھا ہے۔ یہ وہی تحریر ہے جس کی بنا پر سب سے پہلے امام موصوف کے خلاف علماء سو نے فتنہ اٹھایا اور ربیع الاول ۶۹۸ھ میں مبتلائے محن و آلام ہوئے۔ یہ رسالہ مصر میں دوبار چھپ چکا ہے۔ علامہ سفارینی نے کہ گیارہویں صدی کے کبار اصحاب اثر و اعاظم حماۃ طریق سلف میں سے ہیں ایک ضخیم مجلد میں اس کی شرح بھی لکھی ہے، اور ان طالبان حق و جویان حقیقت کے لئے جن کے امراض قلب و اعتقاد کو علامہ نسفی و تفتازانی و دوانی (رحمہم اللہ) کے شفاخانوں سے شفا نہ ملی ہو اکسیر اعظم و تریاق مجرب "شفاء لما فی الصدور" کا حکم رکھتی ہے فیہ ما تشتھیہ الانفس و تلذ الاعین۔

سرِ خدا کہ عارف و زاہد کسے نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

اور اگر یہ دونوں صورتیں بھی نہیں، تو پھر جو کچھ ہے، نہ تو عرفان ہے، نہ شفا بلکہ خود جہل ہے، اور مرض۔ اگرچہ افسوس اس دنیا میں زیادہ حصہ انہی مریضوں کا بستا ہے جنھوں نے ہمیشہ طلب مرض کو طلب شفا سمجھا ہے، اور سمّ قاتل سے امید حیات رکھی ہے! اور پھر یاد رہے کہ یہی معنی ہیں سلف کے اس قول کے کہ علم نہیں ہے مگر وہ جس میں حدثنا اور اخبرنا ہو۔ یہاں مقصود علم سے علم مصطلحۂ شرع ہے نہ کہ لغت کما قال الشافعی رضی اللہ عنہ۔

کل العلوم سوی القران مشغلۃ — الا الحدیث والا الفقہ فی الدین[1]

العلم ما کان فیہ قول حدثنا — وما سوا ذالک وسواس الشیاطین[2]

اور یہی معنی ہیں اس قول نبوی صلعم کے کہ علم صرف تین ہیں۔ ماسوا ان کے جو کچھ ہے فضل ہے آیۃ محکمہ، سنت قائمہ، فریضہ عادلہ۔ اور یہ منجملہ جوامع الکلم نبویہ کے ہے۔ وقدس اللہ روح القائل وھو حجۃ الاسلام ابن قیم اذ یقول فی النونیہ الکبریٰ۔

العلم قال اللہ قال رسولہ — قال الصحابۃ ھم اولوا العرفان[3]

ما العلم نصبک للخلاف سفاھۃ — بین الرسول وبین رای فلان[4]

---

[1] قرآن، حدیث، اور تفقہ فی الدین کے سوا تمام علوم خدا سے غافل کرنے والے ہیں۔ [2] علم وہی ہے جس میں "حدثنا" آئے (یعنی علم حدیث) اس کے سوا جو کچھ ہے شیطان کا وسوسہ ہے۔ [3] علم وہی ہے جو اللہ کا قول ہے۔ اس کے رسول کا قول ہے، صحابہ کا قول ہے جو حقیقتاً اہل معرفت تھے۔ [4] علم یہ نہیں ہے کہ تو حماقت کی راہ سے رسول کے مدمقابل زید، عمر، بکر، کی رائے کھڑی کرے۔

وقوع ہے، اور صرف اسی نسخۂ شفا سے دل اور روح کی ساری بیماریاں دور ہو سکتی ہیں خواہ شکوک و ارتیاب کی بیماری ہو، خواہ اوہام و انکار کی، خواہ ادعاء ادریت کا ہیجان ہو، خواہ حیرانی و سرگردانی لا ادریت کا خمار ع

نہ ہر مرض کہ بنالد کسے، شراب دہید

باقی یا تو اسماء مختلف ہیں اور مسمیٰ وہی ایک ہے۔ مثلاً "سنت و سیرت" کی جگہ "قرآن و کتاب" کا لفظ بول دیا جائے کہ نام دو ہو گئے مگر حکایت شہد و عسل سے زیادہ نہیں۔ دلالت و تسمیہ میں تعدد ہوا۔ نہ کہ مدلول و مسمیٰ میں۔

عباراتنا شتی وحسنک واحد

یا پھر اسی نسخہ کے اجزاء و توابع جیسے آثار و سیرت صحابہ و سلف امت کہ گو اشکال و اسماء میں تفرقہ و امتیاز ہوا مگر بحکم "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین" اور "وآخرین منھم لما یلحقوا بھم" اور "فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم الخ" "انا ما انا علیہ واصحابی" معنیً و حکماً جز و کل، اصل و فرع، مصدر و مشتق یا شمس و کواکب کا سا معاملہ واقع ہوا ہے۔ روشنی صرف ایک ہی ہے۔ اور ایک ہی کی ہے۔ اگرچہ چاند سے بھی مل جائے اور چمکیلے ستاروں سے بھی۔

بحریست متحد کہ باشکال مختلف	باراں و قطرہ و صدف و گوہر آمدہ
مشتق چو نیک درنگری عین مصدر ست	کیں در صفات ظاہر خود مظہر آمدہ

ولیقرب من ھذا ما قیل بالعربیۃ۔

وما البحر الا الموج لا شیئ غیرہ

وان فرقتہ کثرۃ المتعدد

کل علم یشھد الشرع لہ   فھو علم نبہ فلتعتصم[1]!
فاذا خالفہ العقل فقل   طور ک السّام مالکم فیہ قدم[2]

اور سبب اس کا ظاہر ہے۔ قلب و روح کی جتنی بیماریاں بھی ہیں، اصل مبدأ ان کا دو قسموں سے باہر نہیں۔ ایک قسم مرض کا نام الحاد و انکار ہے۔ دوسری کا توہم و سوفسطائیت باقی تمام بیماریاں اسی کے اتباع و عوارض و فروع ہیں۔ اور دونوں قسموں میں ظہور مرض کے علائم و آثار و عواقب مشترک ہیں۔ یعنی دونوں کا نتیجہ شک وجہل و اضطراب اور فطرت کی طمانیت اور سرور و راحت قلبی کا ازالہ۔ یعنی باصطلاح قرآن حکیم "نفس مطمئنہ" کا فقدان۔ پس مرض بلحاظ علت و ظہور ہر حال میں صرف یہی ہوا کہ شک و ظلمت۔ اور اس عالم میں وحی الٰہی اور حکمت نبوت اور ان سے ماخوذ و مکتسب کے علاوہ جو کچھ ہے "یقین، برہان، بصیرت" اور "فرقان" نہیں ہے شک و ظن ہے۔ عدم علم و بصیرت ہے۔ یا تخمین و رائے اور تلعب و تخرص بالرّیب ہے۔ مالھم بذالک من علم ان ھم الا یظنون[3] اور بل ھم فی شک یلعبون[4] اور ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتاب منیر ثانی عطفہ لیضل عن سبیل اللہ (حج) اور ھل عندکم من

---

[1] جس علم کی شہادت شرع دے دیتی تو اسے مضبوطی سے پکڑ لے۔ [2] اگر عقل اس کی مخالفت کرے تو اس سے صاف کہہ دے کہ اپنی جگہ پر رہ، تجھے یہاں رسائی نہیں۔

[3] انھیں اس کا ذرا بھی علم نہیں، وہ تو صرف گمان رکھتے ہیں۔ [4] بلکہ وہ شک میں کھیل رہے ہیں [5] ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے باب میں بغیر کسی علم، ہدایت اور کتاب منیر کے حجت کرتے ہیں، نخوت سے روگردانی کرتے ہیں کہ خدا کے راستہ سے بھٹکائیں۔

كلا ولا عزل النصوص وانها ليست تفيد حقائق الايمان[1]

اولا تفيد كم يقينا لا، ولا علماً، فقد عزلت عن الايقان[2]

والعلم عندكم ينال بغيرها بزبالة الافكار والاذهان[3]

سميتموه قواطعا عقلية لنفي الظواهر حاملات معان[4]

كلا، ولا احصاء اراء الرجا... ل وضبطها بالحصر والحسبان[5]

كلا ولا التاويل والتبديل والتحريف للوحيين بالبهتان[6]

كلا ولا الاشكال والتشكيك والوقف الذى ما فيه من عرفان[7]

هذى علومكم التى من اجلها عاديتمونا يا اولى العرفان[8]

وقال الشيخ الاكبر، من جملة ابيات افتتح بها الباب الثامن وثلاث مائة من الفتوحات۔

---

[1] ہرگز نہیں اور نصوص شرعیہ کا معطل کر دینا کہ جس سے ایمان کے حقائق حاصل نہیں ہو سکتے۔ [2] کیونکہ اگر ان نصوص سے تمہیں علم یقینی حاصل نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ یقین دلانے کے منصب کی اہل نہیں رہیں

[3] تمہارے ہاں علم ان نصوص سے نہیں بلکہ افکار و اذہان کے کوڑہ کرکٹ سے حاصل کیا جاتا ہے۔

[4] تم نے اس کا نام "قواطع عقلیہ" رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر کی نفی اور طرح طرح معانی کا احتمال [5] یہ علم ہرگز نہیں اور نہ لوگوں کے آراء کا احصار و شمار، اور نہ قرآن و حدیث کی تاویل و تبدیل و تحریف اور نہ تشکیک و مغالطہ دہی علم ہے۔

[8] لیکن یہی وہ تمہارے علوم ہیں جن کی وجہ سے اے اصحاب علم تم نے ہم سے دشمنی ٹھانی ہے۔

فترۃ من الرسل، و قلۃ من العلم، وضلالۃ من الناس[1] الخ اخرجہ الحاکم علی شرط الصحیحین والطبری فی تاریخہ۔ پس ظاہر ہے کہ جن نام نہاد علوم کا ماحصل خود ظلمت ظن و شک اور کوری وہم ورائے سے زیادہ نہیں، وہ مریضان یقین و اعتقاد کے لئے کیونکر نسخہ شفا ہو سکتے ہیں؟ اور جو خود سرگشتہ راہ اور درماندۂ کار ہے، وہ دوسرے گم کردہ راہوں کی کیا رہنمائی کرسکتا ہے۔

جوہر طینت آدم ز خمیر دگر است
تو توقع ز گلِ کوزہ گراں می داری!

بل ھم فی شک منھا بل ھم منھا عمون[2] دشمن، مرض کا ازالہ دوا سے ہو سکتا ہے نہ کہ خود تولید مرض سے۔ اگر دنیا کا اصلی مرض "یقین" اور "بصیرت" سے محرومی ہے اور شک و گمان کی ہلاکت، تو اس کا علاج وہ کیونکر کر سکتے ہیں جن کا خود اعلان یہ ہے کہ ہمارا منتہائے فکر و ادراک اس سے زیادہ نہیں کہ "لا ادری ولا اعلم" ہم نہیں جانتے اور نہیں کہہ سکتے کہ کیا ہے اور کس لئے ہے؟ یعنی بحکم "واشھدوا علی انفسھم" وہ خود اپنے منتہائے معرفت کو جہل سے زیادہ نہیں بتلاتے۔ ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین[3]

---

[1] خدا نے اپنا رسول، ہدایت، نور اور موعظت کے ساتھ بھیجا اس وقت جب کہ رسولوں کا سلسلہ ٹوٹ چکا تھا، علم کم ہو گیا تھا اور مخلوق گمراہ ہو رہی تھی۔

[2] بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں، بلکہ وہ اس کی طرف سے کوری میں ہیں۔

[3] ہمارا محض گمان ہی گمان ہے، ہمارے پاس یقین نہیں ہے۔

علم فتخرجوہ لنا ؕ[۱] اور ۲ فمن کان علی بینة من ربه کمن زین له سوء عمله واتبعوا اهواءهم ؕ[۲] (محمد) اور ما لهم به من علم ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً[۳] (النجم) اور قل هذه سبیلی ادعوا الی الله علی بصیرة انا ومن اتبعنی[۴] (یوسف) اور بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه ولما یاتهم تاویله (یونس) ما تعبدون من دونه الا اسماء سمیتموها انتم واباؤکم ما انزل الله بها من سلطان ان الحکم الا لله[۵] (یوسف) وغیرذالک من الایات و القواطع۔ اور اسی لئے دعوت خاتم الادیان و مکمل الشرائع کی نسبت اکثر خطبات نبویہ میں یہ اعلان پاتے ہو کہ اس کا ظہور کرۂ ارضی کے کمال جہل و فقدان علم کے وقتوں میں ہوا یعنی اس لئے ہوا تاکہ علم و نور سے دنیا کو بھرپور کر دے اور علم و نور نہیں ہے مگر یقین اور زوال شک و ریب۔ علی الخصوص اولین خطبۂ جمعہ بالمدینہ میں فرمایا۔ ارسله بالهدیٰ والنور والموعظة علی

---

[۱] اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو نکال کے ہمیں بتاؤ۔

[۲] کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کی نظر میں بدعملی سنور گئی ہے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ [۳] انھیں اس کا کچھ علم بھی نہیں ہے۔ صرف گمان پر چلتے ہیں، حالانکہ گمان فدا بھی حق کے معاملہ میں مفید نہیں۔ [۴] اے رسول کہہ دے یہ ہے میری راہ، میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں اور میرے پیرو بصیرت پر ہیں۔

[۵] تم جن چیزوں کی عبادت کرتے ہو محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے رکھ لئے ہیں خدا نے ان کی کوئی دلیل بھی نہیں اتاری حکومت صرف اللہ کے لئے ہے۔

ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ[1] پھر بتلاؤ، دنیا کو جو طمانیت و اقرار کی بھوکی پیاسی اور شک و اضطراب نفس کے زخموں سے جاں بلب ہے، کس کا ساتھ دینا چاہئے؟ اس کا ساتھ دینا چاہیئے جو خود شک و فریب کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ ایک تاریکی سے نکلنے کے لئے دوسری تاریکی میں ڈوبتا ہے، اور تاریکیوں کا یہ حال ہے کہ خود اپنا ہاتھ بھی سوجھائی نہیں دیتا۔ ایک گتھی سلجھانا چاہتا ہے تو دس نئے الجھاؤ رشتۂ ادراک میں پڑ جاتے ہیں۔ کظلمات فی بحر لجی یغشاہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب۔ ظلمات بعضھا فوق بعض۔ اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور[2] (نور) اور جس کی ان ساری کوششوں اور طلب جستجو کا جو حقیقت تک پہونچنے اور عقدۂ ہستی حل کرنے کے لئے کرتا ہے یہ حال ہے کہ ہر نیا مرحلہ ایک نئی گمرہی کا پیام اور ہر نئی منزل ایک نئے بعد و گم گشتگی کی مایوسی ہے۔ جس نظریہ پر رکتا اور فاتح کار سمجھ کر لوٹتا ہے، جب اس تک پہونچتا ہے تو یقین کی جگہ ایک نئے شک کی دعوت نکلتی ہے، اور جواب کی جگہ وہ خود ایک نیا سوال ہوتی ہے، اور اس طرح اس کی ساری امیدیں اور ساری خوشیاں اس پیاسے کی امید سے زیادہ ثابت نہیں ہوتیں جو ریگستان

---

[1] میری یہ راہ سیدھی ہے پس اسی پر چلو، اور راستوں پر نہ چلو کہ تمہیں خدا کے راستے سے بھٹکا دیں۔

[2] مانند تاریکیوں کے ایسے بحر زخار میں جس میں ایک موج پر دوسری چڑھ رہی ہو اور اوپر بادل چھائے ہوں، تاریکیوں پر تاریکیاں، اگر آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو نہ دیکھ پائے، جس کے لئے خدا نے نور نہیں کیا اس کے لئے کوئی نور نہیں۔

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد!

اس کا علاج اور نسخہ شفاء لما فی الصدور تو صرف اسی اعلم الخلائق و اعرف العباد کے دار الشفاء وحی میں مل سکتا ہے جو شک کی جگہ یقین کا، ظلمت کی جگہ نور کا، عدم علم کی جگہ علم و بصیرت کا، ظن و قیاس کی جگہ بینہ حجت کا، برہان و فرقان کا اور تبیانا لکل شیئ اور عروۃ الوثقی کا۔ غرض کہ "لا ادری" اور "لا اعلم" کی جگہ "انی اعلم" اور "انی علی بینۃ من ربی" اور "انی اشہد" بلکہ "رایت وسمعت" کا دعوی اور اعلان کر رہا ہو اور تمام نوع البشر کو یہ کہہ کر بلا رہا ہو، ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی! اور تمام منکرین و جاحدین سے بار بار مطالبہ کرتا ہو۔ ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا؟ یعنی یہ علم و یقین اور خروج من ظلمات الجہل الی نور المعرفۃ والحقیقۃ کی راہ ہے جس کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں پھر تمہارے پاس بھی کوئی "یقین" اور "علم و بصیرت" ہے جسے دنیا کے آگے پیش کر سکتے ہو؟ فھل یستوی الاعمیٰ والبصیر؟ اور وھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون؟ ایک کہتا ہے میرے پاس شک ہے، اگر تم میری طرف آؤ تو تم کو شک سے معمور کر دوں گا۔ دوسرا کہتا ہے میرے پاس جو کچھ ہے بجز یقین اور برہان کے اور کچھ نہیں۔ لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ۔ تنزیل من حکیم حمید (حم سجدہ) اور بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم (عنکبوت) میں بصیرت ہوں، دعوت علم ہوں، پیام حجت و برہان ہوں۔ حقیقت جو ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی، اس کی ایک ہی راہ ہوں۔ اقوم الطریق، اونہج السبل، صراط السوی۔

ؔ کیا بینا اور نابینا برابر ہیں؟ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں؟

نور ہو[1]۔ (مسلم) نہ میری حقیقت میں آنکھ کے لئے زیغ ہے، نہ منزل شناس قدم کے لئے ٹھوکر۔ ماذاغ البصر وما طغیٰ[2] لقد رای من ایات ربہ الکبریٰ[2]۔ اور حدیث انس کہ "والذی نفسی بیدہ لقد عرضت علی الجنۃ والنار آنفا فی عرض ھذا الحائط وانا اصلی[3] (بخاری) اور حدیث اسماء بنت ابی بکر اور خطبہ صلوۃ کسوف کہ "مامن شیئ لم ارہ الا وقد رایتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار واوحی الی ربکم یفتنون فی القبور[4]" الخ رواہ البخاری اور "ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی[5]" رواہ الاربعۃ۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ "اتانی ربی فی احسن صورۃ[6] (وفی روایۃ اتانی اللیلۃ ربی) فقال فیم یختصم الملاء الاعلی فقلت لا ادری۔ فوضع کفہ بین کتفی حتے وجدت بردا اناملہ بین ثدی وتجلی لی علم کل شیئ" اخرجہا جماعۃ منہم احمد والترمذی وصححہ۔ جس حقیقت ہزار حجاب کا ایک سچا یا کم از کم سچائی سے

---

[1] رسول اللہ صلعم رات میں یہ دعا مانگا کرتے تھے "خدایا میرے دل میں نور ہو، میری زبان میں نور ہو، میرے کانوں میں نور ہو، میری آنکھوں میں نور ہو، میرے آگے نور ہو، میرے پیچھے نور ہو، میرے اوپر نور ہو، میرے نیچے نور ہو، خدایا مجھے نور ہی نور عطا فرما۔ [2] نہ نگاہ بھٹکی نہ اچٹی (بلکہ پھیرنے) اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ [3] قسم ہے اس کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ابھی ابھی دیوار پر میں نے نماز پڑھتے ہوئے جنت اور دوزخ دیکھی ہے۔ [4] جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ سب یہیں دیکھ لیا حتی کہ جنت اور دوزخ بھی" اور تمہارے رب نے مجھے وحی کی ہے کہ لوگوں کی قبر میں آزمائش کی جائیگی۔ [5] میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ [6] میرا رب میرے پاس بہترین صورت میں آیا اور فرمانے لگا کہ بتا ملاء اعلیٰ میں کس بات پر تکرار ہو رہی ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ اس پر اس نے اپنی ہتھیلی میری پیٹھ پر رکھی یہاں تک کہ اسکے انگلیوں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی اور ہر چیز کا علم مجھ پر کھل گیا۔

افریقہ کو دجلہ فرات سمجھ کر بے تحاشہ دوڑ رہا ہو۔ کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماء حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئا (نور) بس کیا کھوئے ہوؤں کو طالب دلیل و ہدایت میں اپنے ہی جیسے کھوئے ہوؤں کا دامن پکڑنا چاہیئے۔ ضعف الطالب والمطلوب[1] (حج)، اور لبئس المولیٰ ولبئس العشیر[2] (حج) یا پھر اس کا ساتھ دینا اور بلا چون وچرا سمع والطاعت کا سر جھکا دینا چاہیئے جس کی ساری پکار اور سارے پیاموں کی بنیاد ہی یہ ہے کہ میں ظلمت نہیں سرتاسر نور ہوں۔ میں تاریکی میں ادھر ادھر بھٹکنے والا قدم اور خود اپنے ہاتھ کو بھی نہ دیکھ سکنے والی آنکھ نہیں ہوں، بلکہ معرفت وشہادت کا اجالا ہوں، نورانیت میں بے خوف لغزش وبے خطرہ گمرہی قدم ہوں، اور دوپہر کی چمکیلی روشنی میں ایک ایک ذرہ دیکھ لینے اور پا لینے والی بینائی ہوں ”السمحۃ الحنفیۃ والحجۃ البیضاء - لیلہا کنہارہا“[3] یہاں ظلمات بعضہا فوق بعض کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہی دلیار کا بالا وپست اور بین یدیہ وخلفہ بجز نور اور نور علیٰ نور کے اور کچھ نہیں ہے۔ وکان من دعائہ صلعم باللیل ”اللھم اجعل فی قلبی نورا، وفی لسانی نورا، واجعل فی سمعی نورا، واجعل فی بصری نورا، واجعل من خلفی نورا، ومن امامی نورا، واجعل لی من فوقی نورا، ومن تحتی نورا، اللھم اعطنی

---

[1] جیسے چلکتی ہوئی ریت چٹیل میدان میں کہ پیاسا اسے پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا۔

[2] طالب اور مطلوب دونوں کمزور [3] کارساز بھی برا اور رفیق بھی برا۔

[3] آسان دین حنیف، اور صاف شفاف راہ، اس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن۔

فاکتبنا مع الشاھدین ومالنا لا نومن باللہ وما جاءنا من الحق ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصالحین[1] (مائدہ) ٢ من ھو قانت اٰناء اللیل ساجداً وقائماً یحذر الاٰخرة ویرجو رحمة ربہ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب[2] - (زمر) غرض کہ جس کا حال یہ ہو کہ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ[3] ان کا سا نہ ہو کہ یجادلون فی اٰیات اللہ بغیر سلطان (مومن) اور بغیر علم ولا ھدی ولا کتاب منیر (حج) تو کیا صرف وہی اکیلا نہیں ہے جس کی راہ دنیا کے لئے امن و سلامتی کی راہ ہے اور جس کے ساتھیوں کے لئے نہ تو کبھی شک کی بے چینی ہے نہ جہل و ظلمت کا ہراس - لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب[4] یہی معنی ہیں ان آیات کریمہ کے او من کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منھا[5] (انعام) اور ا فمن یمشی

---

[1] وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے پس ہمیں شاہدین کے گروہ میں لکھ، اور ہم کیوں نہ اللہ پر اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے ایمان لائیں اور اس بات کی لالچ کریں کہ ہمارا رب ہمیں صالح لوگوں کے زمرہ کے ساتھ کر دے۔ [2] بھلا جو شخص رات کے اوقات میں بندگی میں لگا ہے، کبھی سجدہ کرتا ہے، کبھی کھڑا ہوتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے، اور اپنے رب کی رحمت کی امید کرتا ہے (کہیں وہ نافرمانوں کے برابر ہو سکتا ہے) اے رسول کہدے کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں، عقلمند ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔ [3] وہ اپنے دل سے نہیں کہتا، وہ جو کچھ کہتا ہے وحی ہوتی ہے۔ جو اس پر آتی ہے۔ [4] اس میں ہمکو نہ کسی طرح کی تکلیف پہونچتی ہے اور نہ کسی طرح کا تکان لاحق ہوتا ہے۔ [5] کیا وہ جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے جلایا اور ایک نور بخشا جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے، اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا۔

قریب تصور بھی تم سے بن نہ آیا۔ میں نہ صرف اس کا سراغ ہی رکھتا ہوں، بلکہ وہ تو میری دیکھی بھالی اور میرے سامنے کی مشہود و منظور ہے "حتی وجدت برد انامله بین ثدی" اس کی انگلیوں سے چھونے کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اور کیا رہ گیا؟

جمالک فی عینی وحبک فی قلبی
وذکرک فی فمی، فاین تغیب[1]

تم نے اپنی درماندگیوں سے عاجز آ کر اس کا نام ہی مافوق ادراک اور غیب رکھ دیا ہے۔ حالانکہ یہاں تو اس کی مشہودیت کا یہ حال ہے کہ اس کا ذکر ہی "شہادت" کے لفظ سے کیا جاتا ہے جس کے معنی حضور و رویت کے ہیں۔ شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط[2]۔ (عمران) تم اس کی طلب و جستجو کو گمان و خیال اور قیاس و ظن سے تعبیر کرتے ہو کہ اس کے آگے تمہارا قدم نہیں بڑھتا۔ ذالک ظن الذین کفروا۔ حالانکہ یہاں ظن و گمان کا کیا ذکر، ظن کو تو یہاں زندگی (ہدایت) کے دائرے ہی سے خارج اور موت (کفر) کا ہمنشین سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تو اس کی نسبت جو کچھ کہا اور سمجھا جاتا ہے، اس کا نام ہی "ایمان" اور "ایقان" ہے۔ یعنی عدم شک اور یقین صرف و بحث، یقولون ربنا امنا

---

[1] تیرا حسن میری آنکھوں میں ہے، تیرا عشق میرے دل میں ہے، تیرا ذکر میرے منہ میں ہے، پھر تو کہاں غائب ہو سکتا ہے۔

[2] اللہ نے گواہی دی ہے اور اس کے ملائکہ نے اور اہل علم نے کہ بجز اس کے کوئی معبود نہیں (اور وہی) عدل کے ساتھ قائم ہے۔

سے بھی زیادہ مقدمہ تفسیر موسوم بہ "البصائر" میں بہ عنوان حقیقت ایمان و کفر بالایں حت
ہمہ اب تک طبیعت اس طرف سے سیر نہیں ہوئی۔ روز بروز یہ مقام اپنی مزید وضا
اور وسیع تر اطراف و مباحث کے ساتھ نمایاں ہو رہا ہے۔ شاید دامن بیان اس ق
سے بھی کہیں زیادہ پھیلے جس قدر البیان میں سمیٹا جا چکا ہے۔ بمعہذا ارباب ذو
وصلاح کے لئے ایک اشارہ حقیقت کافی ہے، واما الذین فی قلوبھم مرض
تو ان کے لئے حقائق و معارف کے قناطیر مقنطرہ بھی بیکار ہیں۔ وہ تو ہمیشہ یہی کہیں گے
ماذا اراد اللہ بھذا مثلاً؟ وما احسن واصدق ما قال العرفی الشیرازی

ہزار معجزہ بنمود عشق و عقل و جہول
ہنوز ملت اندیشہ ہائے خویشتن ست!

~~~
~~~

مکبا علی وجھہ اھدیٰ امن یمشی سویا علی صراط مستقیم[۱] (ملک) اور فمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ (زمر)[۲] غیر ذالک من الایات فی ھذا الباب - اور فی الحقیقت یہی وہ نور حقیقت اور مشکوۃ معرفت ہے جس کو ایک عجیب وغریب اور جامع ومانع تمثیل مرکب میں واضح فرمایا- مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح - المصباح فی زجاجۃ - الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ و لاغربیۃ - یکاد زیتھا یضیئ ولولم تمسسہ نار- نور علی نور - یھدی اللہ بنورہ من یشاء ویضرب اللہ الامثال للناس- واللہ بکل شیئ علیم[۳] (نور)

اور یہ مقام منجملہ رموز الروح معارف کتاب وسنت وحقیقۃ الحقائق قرآن و شریعت کے ہے جس کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے مگر اس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ تفسیر البیان میں ایک سے زیادہ مواقع پر اس کی تشریح وتوضیح ملے گی۔ اور اس

---

[۱] کیا وہ جو اپنا منہ اوندھائے ہوئے چلتا ہے، زیادہ راہ پر ہے یا وہ جو سیدھا راہ راست پر چلتا ہے

[۲] کیا وہ شخص جس کا سینہ خدا نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے اس کے برابر ہو سکتا ہے جو کفر کے اندھیرے میں پڑا ہے پس ہلاکت ہے ان کے لئے جن کے دل ذکر الٰہی کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں۔ [۳] اسکے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے، طاق میں چراغ رکھا ہے، چراغ شیشے کی قندیل میں ہے اور قندیل اس طرح شفاف ہے گویا موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارہ ہے، چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے کہ جو نہ پورب کے رخ واقع ہے نہ پچھم کے رخ، اس کا تیل ایسا ہے کہ اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے آپ جل اٹھے گا- نور علی نور، اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔

معنی ایک ہی ہیں قرآن متن ہے اور سیرت اس کی شرح۔ قرآن علم ہے اور سیرت اس کا عمل، قرآن صفحات و قرطیس ما بین الدفتین اور فی صدور الذین اوتوا العلم ہے اور یہ ایک مجسم و ممثل قرآن تھا جو یثرب کی سرزمین پر چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ کما قال الصدیقة رضی اللہ تعالیٰ عنہا "وکان خلقہ القرآن"

ما دو جانے آمدہ در یک بدن!
من کیم؟ لیلیٰ، و لیلیٰ کیست؟ من!

انبیاء کرام کی زندگی سے بڑھ کر "یقین" اور "ایمان" کی پکار اور کیا ہو سکتی؟ محال قطعی ہے کہ ایک صاحب استعداد سیرت نبویہ کا کوئی چھوٹا سے چھوٹا ٹکڑہ بھی پیش نظر رکھتا ہو اور پھر شک و اضطراب نفس کا افسون ہلاکت اس پر کارگر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جا بجا انبیاء کرام علیہم السلام کی نفس زندگی و وجود کو بطور ایک حجت و برہان کے پیش کیا ہے۔ نہ کہ محض بطور قصص اور انباء بالغیب کے جیسا کہ عموماً سمجھا گیا ہے۔

قرآن حکیم کا کھلا دعویٰ یہ ہے کہ ہر نبی کی زندگی جس طرح شروع ہوئی اور جس طرح ختم ہوئی، اور جو کچھ اس پر گذرا اور قولاً و فعلاً جو کچھ اس سے تعلق رکھتا ہے، ان میں سے ہر بات بجائے خود ایک دلیل اور برہان حق ہے، اس سے بڑھ کر اس حقیقت کے اثبات کے لئے اور کوئی دلیل یقینی و قطعی نہیں ہو سکتی کہ خدا ہے، اور ساری اچھی اور حسین صفتوں سے متصف ہے اور اس نے جس طرح عالم ہستی اور ما فیہا کو بنایا، اسی طرح اس کے لئے قوانین دنیا میں عمل و نتائج بھی بنائے اور وہ ہر حال میں اٹل ہیں۔ دنیا میں انسان زیادہ سے زیادہ اور قطعی سے قطعی یقین جن چیزوں پر رکھتا ہے اور

باب

غرض کہ امام ابن تیمیہ نے ایک ایسی حقیقت جو طبیعت کو جو ارباب ظن و رائے کی صحبتوں سے وادی شک و اضطراب میں حیران و سرگردان ہو گئی تھی، ان ساری باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں کہی جو اور لوگ کہہ سکتے تھے، بلکہ صرف یہ وصیت کی کہ سیرت طیبہ نبویہ کا مطالعہ کر وہی نسخہ شفا شک و ریب کے سارے دھکوں کا ایک ہی علاج ہے، اور پھر قولاً بھی اپنی تمام مصنفات میں اسی چیز کو بنیاد علم و ایقان بتلاتے ہیں، تو یہ بات بھی منجملہ انہی خصائص مقام وراثت نبوت کے ہے کہ۔

علیم بادواء النفوس یسوسہا ٭ بحکمۃ فعل الطبیب المجرب

اور حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف اس عہد میں بلکہ جب تک دنیا باقی ہے صاحب قرآن کی سیرت و حیات مقدس کے مطالعہ سے بڑھکر نوع انسانی کے امراض و علل قلوب و ارواح کا اور کوئی علاج نہیں۔ اسلام کا دائمی معجزہ اور ہمیشگی کی حجۃ اللہ البالغۃ قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن کی سیرت ہے، اور دراصل قرآن اور حیات نبوّت

طیبہ کو بطور ایک مستقل دلیل وشاہد ثابت کے پیش کیا ہے اور نہایت کثرت کے
ساتھ ان کی سیرت و سوانح اور وقائع و ایام پر مختلف پیرایوں اور مختلف لواحق
و سوابق کے ساتھ بار بار توجہ دلائی ہے۔ اور بسا مقامات میں ایسا بھی ہے کہ۔

گفتہ آید در حدیث دیگراں!

کا معاملہ ایک کیفیت خاص اور لذت اشارات کے ساتھ اصحاب نظر و ذوق
کے لئے قرۃ عیون اور سرور النفس و قلوب کا حکم رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض عرفاء و اصحاب
اشارات نے کہا۔ بائے بسم اللہ سے سین والناس تک جو کچھ ہے گو حکایت موسیٰ
کلیم کی ہو اور یوسف صدیق کی (صلوٰۃ اللہ علیہما) لیکن ان سب سے مقصود ایک
ہی ہے، اور گو نام دوسروں کے ہوں مگر روئے سخن اسی طرف ہے

چشم سوئے فلک و روئے سخن سوئے تو بود

اور اردو میں کسی نے خوب کہا ہے۔

نام ان کا آسمان ٹھہرا لیا تحریر میں

والکنایۃ ابلغ والذمن التصریح۔

خوش و دلکش است قصہ خوبان روزگار
تو یوسفی و قصہ تو احسن القصص!

اور اگر اس بات کو باب اشارات سے باہر بھی دیکھا جائے، جب بھی
اس کی صداقت میں کلام نہیں۔ جب تمام انبیاء کرام کا وجود اصلاً ایک ہی اصل
و حقیقت پر مبنی اور تمام مقاصد و اعمال و وقائع میں جزءً و کلاً ایک ہی سلسلۂ بعثت
کی مختلف کڑیاں اور ہم رنگ و ہم معنی اشکال و صور ہیں، اور اسی لئے باہم گر اشباہ و

جن وسائل سے ان کے یقینی ہونے کو مانتا ہے، قرآن کی دلیل انہی کی طرح قطعی اور سب سے زیادہ روشن و محکم ہے۔ اور اگر یقین کے لئے یہ دلیل کافی نہیں تو پھر اس دنیا میں یقین کا وجود ہی نہیں حتیٰ کہ دوپہر کے وقت چمکتے ہوئے سورج کا بھی نہیں۔ اگر تم کہتے ہو کہ دنیا میں صرف وہی باتیں ماننی چاہئے جو "یقینی" ہوں اور "ثابت" شدہ ہوں۔ یعنی تم اعتقاد کے لئے صرف "امکان" کافی نہیں سمجھتے۔ "اثبات" کے طلبگار ہو، تو جب بھی دنیا میں "الکلم الطیب" اور "العمل الصالح" سے بڑھ کر اور کون سی بات ثابت و واقع حقیقت ہو سکتی ہے؟ خود تمہارا وجود اور اثبات "انا" بھی اس سے زیادہ ثابت و مشہود نہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جابجا دعوت الی الوحی کو "قول الثابت" اور "دین القیم" اور "الواقع" اور "الثالث" وغیرہا سے تعبیر کیا ہے گو لوگ دوسری طرف چلے گئے۔ بہرحال حضرت نوح کا وجود بجائے خود ایک دلیل و اثبات ہے۔ حضرت ابراہیم اپنی ذات کے اندر خود ایک حجت قائمہ اور آیت کاملہ ہیں۔ حضرت موسیٰ کی پوری زندگی صرف اس ایک لفظ میں بتلا دی جا سکتی ہے۔ "برہان محکم و دلیل ثابت" اور اسی طرح تمام انبیاء و مرسلین اور بوجہ ان کی تبعیۃ و معیت کے تمام نفوس صادقہ۔ لبشر من الصدیقین و الشہداء و الصالحین کی زندگیاں اور زندگی کے تمام وقائع و اعمال بجائے خود ایک مستقل دلیل و برہان حق ہیں۔ اور اس طرح ہر نبی کا تنہا وجود سینکڑوں دلیلوں اور ہزاروں شہادتوں کا مجموعہ ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم ان کا استشہاداً و استدلالاً ذکر کرتا، اور ان کو "آیت" اور "بینہ" سے تعبیر کرتا، اور اس طرح گویا ہر ایک تذکرۃ و حکایت حیات نبوت میں دنیا کے سامنے صدہا دلیلیں اور روشنیاں چمکا دیتا ہے۔ علی الخصوص یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جابجا حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات

سے ایک ایک فرد کا ذکر کر دیا گیا، اور سب کچھ آگیا جو ان کے بارے میں کہا جا سکتا تھا۔ جب باغ و چمن کا نام لیا تو گو تم نے نہ پھولوں کا نام لیا ہو، نہ ان کی رنگت و بو کا، نہ نہروں کا ذکر کیا ہو نہ ان کی نضارۃ و روانی کا، لیکن خود ان سب کا ذکر آگیا، اور جب تم نے کہا تختۂ گل، ہوائے عطر بیز، نظارۂ انہار و اشجار، بنفشہ و سنبل و یاسمن، تو اب تم باغ و چمن کا نام لو یا نہ لو، مگر اس کا نام تو تم نے ان ناموں میں سے ہر نام کے ساتھ لے ہی لیا، اور گو بظاہر ذکر بنفشہ و سنبل اور اشجار و انہار کا تھا مگر فی الحقیقت ذکر ان سب کا نہیں بلکہ صرف ایک ہی حقیقت جامعہ تھا۔ یعنی باغ و چمن کا۔ مولانا کے اشارات اس مقام کی نسبت از بس لطیف و پر ذوق واقع ہوئے ہیں۔ از اں جملہ کیا خوب فرمایا۔

نام احمد نام جملہ انبیاست؛

چونکہ صد آمد نود ہم پیش ماست

جب "سو" کہہ دیا تو اب ایک سے ننانوے تک جو کچھ ہے سب آگیا۔ اور جب کہا۔ ایک، دو، دس، پچاس۔ تو فی الحقیقت ذکر "سو" ہی کا ہوا۔ قرآن حکیم میں یا احکام ہیں۔ یا مواعظ و حکم ہیں، یا شرح قوانین ہدایت و ضلالت، اور یا پھر قصص الاولین۔ تو معلوم ہے کہ اگر احکام ہیں تو اسی شریعت کے جس کا حامل سید المرسلین ہے۔ مواعظ و حکم ہیں تو وہی ہیں جن کی عملی تصویر اسوۂ کاملہ وجود سید المرسلین ہے۔ قصص ہیں تو انہی فضائل و مراتب کے جو سب کے سب مرتبۂ جامعیت محمدی میں بوجہ اتم واکمل جمع ہو گئے۔ پس اگر حضرات صوفیائے کرام نے تمام قرآن کو اسی ایک حسن اکمل اور جمال بے ہمتا کی حکایت شمائل اور شرح سراپا کہا، تو قطع نظر فسحت میدان اشارات کے، ویسے بھی یہ کیوں موجب قدح و شک ہو؟ حق یہ ہے کہ "قرآن" اور "صاحب سنت"

نظائر کا حکم رکھتے ہیں، بحدیکہ بوجہ کمال اشتراک صورت و معنی اگر ایک کڑی ہٹادی جائے تو دوسری ٹھیک ٹھیک اس کی جگہ پڑ جائے، اور معلوم ہے کہ اس سلسلہ کی آخری کڑی یعنی وجود مقدس حضرت خاتم الادیان و مکمل الشرائع و متمم النعم ساری پچھلی کڑیوں کا جامع، اور اسی لئے بحکم "انا سید ولد آدم" اور "لو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی" اور نص قرآنی کہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس[1] اور الیوم اکملت لکم دینکم، و اتممت علیکم نعمتی[2] الخ اور فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھولاء شہیدا[3] (نساء) منتہاء مرتبہ سیادت و قیادت عالم، و مرکزیۃ رسل و شرائع، و افضلیت کلی نوع سے فائز و ممتاز ہے

بہ طراز ندگی قامت موزوں نازم !!
یک قبا نیست کہ شائستہ اندام تو نیست

تو لامحالہ باب فضائل و مقامات اور قصص و حکایت ایام میں جو کچھ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے، یا جو کچھ صدق لسان تحقیق کے بیان کے ساتھ اس بارے میں کہا جائے گا وہ گو بلا واسطہ دوسروں کی حکایت ہو، مگر بالواسطہ متعلق اسی وجود جامع و اکمل سے ہو گی، اور جب کبھی خاص اس وجود جامعیت کی نسبت کچھ کہا جائے گا، تو گو اس میں دوسروں کا ذکر لفظاً نہ آئے، لیکن حال یہ ہو گا کہ گویا تمام انبیاء و مرسلین کے مراتب و کمال میں

[1] تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے اٹھائے گئے ہو۔ [2] آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی الخ۔ [3] اس وقت کیا ہو گا جب ہم ہر گروہ میں سے ایک گواہ لائیں گے۔ اور تجھے ان لوگوں پر گواہ بنا کر بلائیں گے۔

ع یہاں ایک فٹ نوٹ تھا جسے چھوڑ دیا ہے۔

دمیرت کی تاریخی حقیقت اسی طرح روشن دیقین باقی رہے جس طرح تاریخی دزرداشت کے دفاتر میں ہے، اور اگر دنیا چاہے تو اس کی پوری تاریخ حیات صرف ایک کتاب اللہ کی لوح محفوظ اور کتاب قیم ہی سے مرتب کرلے۔
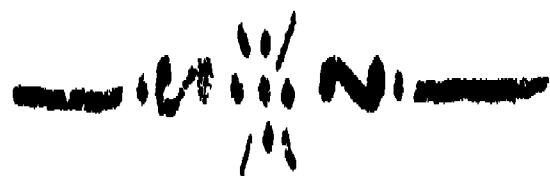
کی باہمی یگانگت و اتحاد کے باب میں جو کچھ بھی اور جس قدر بھی کہا جائے، اس سے بہت کم ہے جس قدر کہنا چاہیئے۔ وللّٰہ در ما قال

ماشئت قل فیہ، فانت مصدق　　　فالحب یقضی والمحاسن تشہد[1]

بلکہ اس مقام پر حق تو وہ ہے جو شیخ ابن الفارض نے کہا۔ طلب اللہ مضجعہ۔

وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ　　　یفنی الزمان وفیہ ما لم یوصف

وقال ایضاً رحمہ اللہ۔

اری کل مدح فی النبی مقصرا　　　وان بالغ المثنی علیہ واکثر

اذا اللہ اثنی بالذی ھو اھلہ　　　علیہ فما مقدار ما یمدح الوری

اور اگر خاص طور پر اس معاملہ کو دیکھا جائے تو فی الحقیقت یہ چیز بھی منجملہ خصائص قرآن و صاحب قرآن کے ہے۔ آج تمام ادیان حاضرۂ عالم میں کوئی دین بھی ایسا نہیں، جس کی کتاب الٰہی اور صاحب و حامل کتاب کے باہمی علاقہ وحدت کا یہ حال ہو۔ اور دونوں میں سے ہر وجود ایک دوسرے سے اس طرح پیوستہ و ملحق اور باہمدگر شاہد و مشہود کا تعلق رکھتا ہو کہ کتاب، حامل کتاب کی صداقت پر دلیل و شاہد ہو، اور حامل کتاب اصل کتاب کی صداقت پر

ایں دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند!

حتیٰ کہ اگر تاریخ شریعت کے تمام وسائل معدوم ہو جائیں، اور روایت و حکایت کے تمام صحائف سے قطع نظر کر لیا جائے، جب بھی صاحب شریعت کے وجود

---

[1] اس کے بارے میں جو چاہو کہو، تمہاری تصدیق کی جائے گی کیونکہ محبت فیصلہ کے لئے بیٹھی ہے اور خوبیاں گواہی کے لئے کھڑی ہیں۔

الی صراط مستقیم[1] کے ساتھ وما انت بمسمع من فی القبور[2] اور سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم[3] بھی موجود و معلوم ہے۔ دوا بیمار کو کھلائی جاتی ہے اگرچہ جانکنی میں مبتلا ہو۔ لیکن ایک ٹھنڈی لاش کے لئے بقراط و جالینوس کی ساری مسیحائیاں بھی بیکار ہیں۔ یہی وہ حقیقت مقام امامت فی الدین کی ہے جو طبابت وتداوی امراض یقین کی نظری و عملی قوت کی راہ کھول دیتی ہے اور اسی کی طرف امام اہل سنت حضرت احمد بن حنبل نے اپنے نامہ وصیت بنام مسدد بن مسرہد کے خطبہ میں اشارہ کیا تھا کہ "الحمد للہ الذی جعل فی کل زمان بقایا من اھل العلم یدعون من ضل الی الھدیٰ" ویبصرون بنور اللہ اھل العمیٰ ویحیون بکتابہ الموتیٰ وبسنۃ رسولہ اھل الجھالۃ والردیٰ ویبصرون منھم علی الاذیٰ، فکم من قتیل لابلیس قد احیوہ؟ وکم من ضال لایعلم طریق رشدہ قد ھدوہ وکم من مبتدع فی دین اللہ لشھب الحق قد رموہ؟ فما احسن اثرھم علی الناس، ینفون عن دین اللہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین، الذین عقدوا الویۃ البدعۃ واطلقوا اعنۃ الفتنۃ مختلفین فی الکتاب، ویقولون علی اللہ وفی اللہ، تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔ انتھی ما نقلہ الحافظ ابن الجوزی فی سیرتہ۔

یعنی امت محمدیہ کا کوئی زمانہ نہیں جو اہل علم کے بقایا سے خالی ہو یہ وہ لوگ ہیں کہ بھٹکے ہوؤں کو راہ ہدایت کی طرف بلاتے ہیں، کورچشمان ظلمت کی آنکھیں نور

---

[1] البتہ تو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے [2] جو قبروں میں ہو انھیں سنانے کا نہیں۔ [3] تو ڈرائے یا نہ ڈرائے ان کیلئے برابر ہے۔

اور یہ معاملہ صرف شیخ عماد الدین واسطی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے امام ابن تیمیہ کے برکات امامت کے اس فیضان جاری و ساری کا ان کے تمام معاصرین محققین نے خصوصیت کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ آج بھی ان کے علوم و معارف سنت کے اس خاصہ عظیمہ کا ہر وہ شخص اور جماعت تجربہ کر لے سکتی ہے جو شک کی بیماریوں سے مایوس اور یقین کی محرومیوں سے لب مرگ ہو اور جس کو حدیث النفس اور وہم خاطر فاتر کے زخموں نے چور چور کر دیا ہو۔ البتہ ہر حال میں طلب صادق شرط ہے اور جاحد والد الخصام مریض نہیں ہے جس کے لئے کوئی نسخہ مفید ہو سکے، وہ اموات و قبور میں داخل ہے جن کا معاملہ علاج سے باہر ہو چکا، اور ما انت لتھدی

؎ یہاں ایک طویل اور دلچسپ حاشیہ تھا جسے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ "تذکرہ" میں دیکھو۔

نوثیہ، والصواعق المرسلہ، وغیر ذالک، تو یہ مقبولیت بلا وجہ نہیں ہے۔ اسی لئے ہے کہ اس خطبہ کے ہر جملہ میں ایک دفتر معارف پوشیدہ ہے۔ ازاں جملہ یہ کہ فرمایا "لیشھب الحق قد دموہ" تو یہ وہی بات ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی "ادموھم بالسنت" (رواہ الدارمی) ارباب بدع و ہوا۔ پر سنت کے تیر چلاؤ۔ اس کی روک کے لئے ان کے پاس کوئی ڈھال نہیں۔ اور اسی لئے اہل بدعت کی ایک پہچان یہ ہوئی کہ ہمیشہ قرآن کے نام کی آڑ پکڑیں گے (کلمۃ حق ادید بھا الباطل) اور سنت و ماثور سے اعراض کریں گے۔ علیکم بھذا القران فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ" الخ۔ تو سنت و اسوۂ حسنہ کے تیروں کی بارش سے ان کے منہ پھیر دو۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ اور حتی یحکموک فیما شجر بینھم" اور ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ کے بے خطا ہتھیاروں سے ان کا مقابلہ کرو۔ اور یہ جو فرمایا "وکم من قتیل لابلیس قد احیوہ" تو یہ وہی حقیقت ہے کہ کمال اتباع و تفانی فی السنت کی وجہ سے ان پر معالجہ نفوس و تداوی امم کی راہیں کھول دی ہیں اور وہ صرف ایک ہی نسخہ کتاب و سنت ہاتھ میں لے کر تمام بیماران قلب و ناخوشان روح کو دعوت شفا دیتے ہیں۔ یہی سر ہے کہ منجملہ اسماء و صفات قرآنیہ کے ایک اسم وصفی "الشفاء" بھی قرار پایا۔ کہ دل اور یقین کے سارے دکھوں کے لئے بجز اس کے اور کسی میں شفاء طمانیت نہیں۔ قل ھو للذین آمنوا ھدی شفاءٌ والذین لا یومنون فی اذانھم وقر و ھو علیھم عمی۔ اولئک ینادون من مکان بعید[1] (حم سجدہ) ونزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمومنین

---

[1] کہدے وہ ایمان والوں کے لئے ہدایت و شفا ہے، اور جو ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں میں گرانی اور وہ ان پر نابینائی ہے، وہ گویا بڑی دور جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔

الٰہی سے روشن کر دیتے ہیں، کتاب وسنت کی روح حیات سے جہل مردے اور غفلت کی نعشیں جلا دیتے۔ اور اس کام میں اہل جہل وضلالت کے ہاتھوں جس قدر بھی اذیتیں پہونچتی ہیں۔ ان پر صبر کرتے ہیں۔ پھر کتنے ہی ابلیس جہل کے مارے ہیں جو ان کی مسیحائی سے جی اٹھے! اور شیطان وشک وریب کے تیروں کے زخمی ہیں جنھیں ان کے دست شفا سے یقین کا مرہم اور ایمان کی اکسیر ملی۔ بھٹکے ہوؤں کو راہ پر لگا دیا۔ بدعت کے لشکروں اور احداث وتحریف کی پلٹنوں کو قرآن وسنت کے تیروں کی بوچھار سے تتر بتر کر دیا۔ گمراہی کے جھنڈے ان کے آگے سرنگوں ہو گئے؛ اور فتنوں کی صفیں ان کے فنون دلائل اور جنود براہین کے فاتحانہ حملوں سے الٹ گئیں۔" (انتھی ملخصاً)[1]

حضرت امام اہل سنت کا یہ خطبہ باوجود ایجاز کچھ ایسا جامع واقع ہوا ہے کہ بڑے بڑے اکابر واعلام کی زبانوں پر خود بخود چڑھ گیا، اور انھوں نے سارے خطبات وفواتح اور عبائر مطالع چھوڑ کر انہی چند متبرک جملوں پر اقتصار کر لیا۔ بظاہر یہ مقبولیت خطبات ماثورہ ومطالع شہیرہ خلفاء راشدین کے بعد اور کسی مصنف کے کلام کو نہیں ملی وھذا من خصائصہ رضی اللہ عنہ۔ حافظ ابن مندہ اپنے اکثر خطبات اسی سے شروع کرتے۔ حافظ ابن جوزی کا (کہ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے خطبات وعظ ومجامع کو ایک فن بنا دیا) قاعدہ تھا کہ اپنے اکثر مواعظ اسی خطبہ سے شروع فرماتے۔ حجۃ الاسلام حافظ ابن قیم تو اس کے ایسے شیفتہ ہوئے کہ اپنی اکثر کتابیں اسی سے شروع کرتے ہیں۔ مثلاً مفتاح دار السعادت، ودیباچہ

[1] یہاں ایک حاشیہ تھا "تذکرہ" میں دیکھو۔

حدثنا غير واحد من العلماء الفضلاء، الذين خاضوا فی اقاویل المتکلمین یسترجعوا منھا الصواب، ان کلا منھم لم یزل حائراً فی تجاذب الاقوال الاصولیین ومعقولاتھم وانه لم یستقر فی قلبه منھا قول ولم یبین له من مضمونھا حق، بل راھا کلھا موقعة فی الحیرت والتضلیل، وانه کان خائفاً علی نفسه من الوقوع بسببھا فی التشکیک، حتی من اللہ علیه بمطالعة مؤلفات ھذا الامام، ومااورده من النقلیات والعقلیات فی ھذا النظام، فما ھو الا ان وقف علیھا فراھا موافقة للعقل السلیم فانجلا عنه ما کان قد غشیه من اقوال المتکلمین "

قریب قریب ایسی ہی شہادت حافظ جمال الدین عقیلی السرمری نے "... الحمیة الاسلامیة فی الانتصار لمذھب ابن تیمیة" میں دی ہے اور اتنا اور زیادہ کیا ہے: " ومن اراد اختبار صحة ما قلته فلیقف بعین الانصاف العریة عن الحسد والانحراف، ان شاء علی مختصراته (ای مختصرات ابن تیمیه) فی ھذا الشان۔ کشرح الاصفھانیه ونحوھا وان شاء علی متولاته کتخلیص التلبیس من تاسیس التقدیس وکتاب العقل و النقل ومنھاج الاستقامة والاعتدال، فانه واللہ یظفر بالحق والبیان ویستفید شیاوضع برھان" الخ

حاصل دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ ہم سے متعدد علماء وافاضل نے ذکر کیا کہ انھوں نے متکلمین کے اقوال و مقالات میں غور و خوض کیا تھا، تاکہ حق و صواب معلوم کریں، لیکن ان میں سے ہر شخص کا یہ حال ہوا کہ جس قدر اس

ولا یزید الظلمین الا خسارا[1] - (اسریٰ) یا ایها الناس قد جاءتکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور[2] (لعلها فی التوبہ او یونس) اور قلب و روح کی "طمانیة" یعنی عدم اضطراب و شک اسی کے پاس ہے الذین اٰمنو وتطمئن قلوبهم بذکر الله الا بذکر الله تطمئن القلوب[3] (رعد) اور یہی وہ کمال مرتبہ ایقانی ہے جو معبّر بہ لفظ "سکینت بھی ہوا- هوالذی انزل السکینة فی قلوب المومنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم[4] (فتح) پس جب شفاؤ وسیلہ طمانیت قلب قرآن ہوا، اور قرآن کی عملی تفسیر وجود صاحب قرآن، تو اب شفاء بھی انہی ہاتھوں سے مل سکتی ہے جن کے پاس اس نسخہ کا کامل علم و عمل ہوا اور وہ نہیں ہے مگر کتاب و سنت - یہی مقام ابن تیمیہ کا تھا اور سلسلۃ الذھب تجدید واحیاء امت کے ہر حلقہ دعوت کا ہوا، اور رہے گا۔

بحکمۃ فعل الطبیب المجرب

شیخ سراج الدین ابوحفص البزار بغدادی اس عہد کے مشاہیر اعلام میں سے ہیں انھوں نے امام ابن تیمیہ کے حالات و مناقب میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے "الاعلام العلیة فی مناقب الامام ابن تیمیة" رسالہ مذکور میں لکھتے ہیں

---

[1] قرآن میں مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کو اس سے خسارا ہی بڑھتا ہے۔ [2] اے لوگو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس موعظت اور دلوں کی بیماریوں کے لئے صحت آگئی ہے۔ [3] جو ایمان لائے اور جن کے دل ذکر الٰہی سے مطمئن ہوتے ہیں۔ ہاں خدا ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ [4] اسی نے مومنوں کے دلوں میں سکینت اتار دی تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ اور زیادہ ایمان حاصل کریں۔

بقیہ حاشیہ ۱۱۶

حتیٰ کہ یمن اور چین میں۔ اور سیاحوں کی زبانی معلوم ہوا کہ چین کے نہایت بعید گوشوں میں جمعہ کے دن منادی کرنے والے نے پکارا "ترجمان القرآن کے لئے نماز جنازہ پڑھی جائے گی" امام موصوف سے ساٹھ ستر برس بعد ابن بطوطہ نے چین کا سفر کیا تھا۔ ان کو موجودہ شہر پیکن کے قریب قبائل عرب و تجار اہل اسلام کی ایک بہت بڑی نوآبادی ملی تھی جس میں فقہا، و محدثین و اصحاب درس و تدریس موجود تھے۔ شیخ بدرالدین محدث نے ان کی دعوت کی۔ اس کے علاوہ عام دیار چین میں بھی ہر جگہ عرب اور نومسلم بہ تعداد کثیر موجود تھے، اور بلاد عربیہ سے آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری تھا پس انہی لوگوں نے امام موصوف کی خبر وفات سن کر نماز جنازہ پڑھی ہوگی۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ "نودی باقصی الصین" تو اس سے مقصود اندرون چین کی نوآبادی ہوگی جو موجودہ شہر پیکن کے قریب ابن بطوطہ کو ملی تھی، اور پھر غور کرو یہی وہ خصائص مقام عزیمت دعوت کے ہیں جن میں اوروں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، اگرچہ بظاہر کتنا ہی پایہ بلند رکھتے ہوں، خود امام موصوف تو قید خانے کی کوٹھری میں محبوس و مظلوم انتقال کرتے ہیں۔ لیکن ان کے لئے نماز جنازہ چین میں پڑھی جاتی ہے اور ان کی زندگی ہی میں ترجمان القرآن والسنت ہونے کی شہرت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ چین کی دیواروں سے جا ٹکراتی ہے اور پکارنے والا پکارتا ہے "الصلوٰۃ علی ترجمان القرآن" حافظ برزانی لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کے بعد اور کسی کے جنازہ پر خلق اللہ کا اس قدر اجتماع نہیں ہوا نہ اتنی نمازیں پڑھی گئیں جس قدر امام ابن تیمیہ کے جنازے پر۔ حالانکہ ان کا جنازہ قید خانے سے نکلا۔ علاوہ بریں خلیفہ متوکل امام احمد کا معتقد تھا۔ مگر سلطان عہد ابن تیمیہ کا مخالف۔ وکان یوماً مشہوداً۔ جب جنازہ اٹھا اور انبوہ کا یہ حال ہوا کہ صرف عورتوں کی تعداد پندرہ ہزار سے زیادہ اندازہ کی گئی تو ایک شخص نے منارۂ مسجد سے ندا دی "ھٰکذا یکون جنائز اھل السنۃ" سبحان اللہ یہ ہے مقام وراثت تامہ نبوت کا، دمشق میں صدا اٹھی ھٰکذا یکون جنائز اھل السنۃ" اور چین میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی زبان

بقیہ حاشیہ بر ۱۱۸

میدان میں بڑھتا گیا، اتنی ہی زیادہ حیرانی و گمراہی سے اپنے تئیں نزدیک پایا۔ ارباب کلام و اصول کے اقوال و عقلیات میں سے کوئی بات بھی ایسی نظر نہ آئی جو بنیاد حق کو استوار کرتی اور دل کو اس پر اطمینان و قرار ملتا حتیٰ کہ ان کی حالت سخت مخدوش ہو گئی اور اپنے ایمان و یقین کی طرف سے خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں تشکیک و انکار کی گمراہی میں ڈوب نہ جائیں۔ لیکن جب اللہ نے ان پر احسان کیا اور امام ابن تیمیہ کے مولفات کے مطالعہ کی توفیق بخشی تو ان کی ہر بات عقل سلیم کے مطابق پائی اور وہ تمام پردے شک و ریب کے ہٹ گئے جو متکلمین کے قیل و قال نے ان کی بصیرت پر ڈال دئے تھے اگر کسی شخص کو اس بات کی صحت میں شک ہو تو امام موصوف کی مولفات آج بھی موجود ہیں۔ حسد و تعصب سے خالی ہو کر ان کا مطالعہ کرے۔ ہم کہتے ہیں کہ واللہ، وہ حق و یقین اور طمانیت قلب پالے گا، اور دلائل واضحہ و براہین قاطعہ کا عروۃ الوثقیٰ اس کے ہاتھوں میں ہو گا۔ انتہیٰ

خود امام موصوف کی زندگی ہی میں ان کی مصنفات کے اس خاصہ کی شہرت یہاں تک عالمگیر ہو چکی تھی کہ مصر و شام و عراق کے کتب فروش ائمہ سلف کی کتاب سے زیادہ ان مصنفات کے نسخے رکھتے تھے۔ ان کی زندگی ہی میں ان کی مصنفات سیاح و نوآباد عربوں کے ذریعہ چین تک پہونچ چکی تھیں[1]۔ ان کی وفات

---

[1] حافظ ابن رجب طبقات میں لکھتے ہیں "صلی علیہ صلوۃ الغائب فی الغالب بلاد الاسلام القریبۃ والبعیدۃ۔ حتی فی الیمن والصین۔ واخبر المسافرون انہ نودی ما قص الصین للصلوۃ علیہ یوم جمعہ۔ الصلوۃ علی ترجمان القراٰن"
یعنی امام ابن تیمیہ نے جب وفات پائی تو اکثر بلاد اسلام میں ان کے لئے نماز جنازہ غائب پڑھی گئی

بقیہ حاشیہ صلا پر

ہوئے اور امام ابوالعباس ابن حجی کے شیوخ و روایت میں سے ہیں (کما ذکرہ فی المعجم)
انھوں نے امام نواوی کی شرح مسلم فروخت کر دی اور اس کی قیمت سے امام موصوف
کی الرد علی الانصاری (جواب چار جلدوں میں چھپ گئی ہے) خریدی کی۔ ایک شخص نے
اس پر اعتراض کیا، تو کہا۔ میرے پاس شرح مذکور کے دو نسخے تھے۔ ایک فروخت
کر دیا۔ لیکن اگر ایک ہی نسخہ ہوتا جب بھی مصنفات ابن تیمیہ کے لئے بلا تامل فروخت
کر دیتا۔ کیونکہ "مافی شرح مسلم اعرفہ، ومافی مولفاتہ انا محتاج الیہ" (کذا
نقل عنہ فی الرد الوافر)

میں کہتا ہوں یہ بات آج بھی ویسی ہی سچی اور کھری ہے جیسی اس وقت
تھی، اور سچائی کی یہ کھری ہے کہ نہ تو کسوٹیوں کا بدلا جانا اس کے لئے مضر ہے اور
نہ زمانے کا بدلا جانا اس کے کھرے پن میں شک ڈال سکتا ہے۔ زمانے کی لمبان
خواہ کتنے ہی آگے کو بڑھ جائے مگر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سونا پیتل ہو جائے اور کوئی چمکیلا
ٹکڑہ سونا کہلانے لگے؟ فالحق ثابت والسمان یدور، وفقیر آج بھی جب کہ دانش
فروشی کے نشۂ باطل سے ہر نوخیز تکلم و کتابت سر گراں، اور ابضاعت مزجات
عقل و رائے کی نمود و نمائش سے ہر نہ دولت تنگ ظرف محمود بالاغوانی ہائے
لاف و گزاف ہے اور فتنہ ادعار مع الجہل و افتار بغیر علم سے عالم آشوبی ہائے
وقت ہم عنان رستخیز قیامت کبریٰ وہم دوش اشراط ساعت عظمیٰ ہے۔ اور ضلالات
و لبطالت لم و لانسلم و اعجاب کل ذی رائے برایہ ٹھیک ٹھیک اپنی اس آخری حد
تک پہونچ چکی ہے جس کی خبر اول روز ہی ایک حدیث قدسی میں دے
دی گئی تھی، "ان امتک لایزالون یقولون ماکذا؟ حتی یقولون ھذا اللہ خلق

سے تقریباً پچاس ساٹھ برس بعد حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: میں نے شمار کیا تو مشہور مولفات ابن تیمیہ علاوہ تفسیر القرآن کے چار ہزار صفحوں سے زیادہ ہیں، اور باوجود علماء دولت اور سلاطین و حکام عہد کی شدید مخالفتوں کے آج کتب فروشوں کے چبوتروں پر سب سے زیادہ مانگ انھیں کی ہے۔ شیخ ابن یوسف مرعی لکھتے ہیں۔ بلاد مصر و شام کے سیاح جب یمن و نجد کی طرف جاتے ہیں تو بہترین تحفہ جو ان سے اہل علم طلب کرتے ہیں امام موصوف کی مولفات ہیں۔ ان کی زندگی ہی میں یہ حال تھا کہ بڑے بڑے اکابر علم ائمہ سلف کی کتابیں فروخت کر ڈالتے تاکہ مولفات ابن تیمیہ خرید سکیں۔ قاضی القضاۃ شام شیخ شہاب الدین ملکاوی الشافعی رجو فقیہ الشام کے قلب سے مشہور

بقیہ صفحہ ۱۱۱

سے بے اختیار نکلوا دیا۔ الصلوٰۃ علی ترجمان القرآن! یعنی ان کی تمام حیات علم و عمل کا خلاصہ قرآن و سنت تھا، تو بحکم حدیث صحاح "انتم شھداء اللہ فی الارض" اللہ نے انسانوں کی زبانی جو کچھ کہلوایا، اس میں بھی کوئی وصف نہ تھا۔ صرف اسی بات کی شہادت تھی کہ سنت کا اہل اور قرآن کا ترجمان و سفیر ہے۔ یہی چیز ہے کہ ان کے بڑے بڑے معاصرین کو سب کچھ ملا تھا مگر یہ نہیں ملی تھی، اور یہ صرف ہمیشہ مجدد العصر ہی کے حصے میں آتی ہے۔ اگرچہ قید خانے میں اس نے زندگی بسر کی ہو یا سولی کے تختے پر ختم کی ہو۔ اور اگرچہ تمام دنیا والوں نے اس کی تحقیر و مخالفت کے لئے ایکا کر لیا ہو، اور تمام روئے زمین کے بادشاہوں نے اس کی عظمت کو شکست دینے کیلئے اپنی کمریں باندھ لی ہوں، ولقد احسن القائل۔

در سفالیں کاسہ رنداں بخواری منگرند
کیں حریفان خدمت جام جہاں بیں کردہ اند
قدسیاں بے بہرہ انداز جرعہ کاس الکرم
ایں تطاول بیں کہ با عشاق مسکیں کردہ اند

باب ۲

اور امام ابن تیمیہ کی امامت وعلو مقام کی نسبت ائمہ معاصرین کی جو شہادتیں نقل کی گئیں، تو یہ صرف ان کے موافقین ہی کا اعتراف نہیں ہے، بلکہ معاصرین میں جو بعض اہل علم ان کے اشد شدید مخالف تھے، اور جن کی مخالفتوں سے اس وقت کے علماء سوء وفقہاء دنیا و حکام جور کی فتنہ پردازیوں کو بڑی ہی تقویت پہونچی، خود ان کے سروں کو بھی میدان خلاف و مخالفت سے باہر دیکھو گے تو امام موصوف کے سلطان علم وعمل کے آگے عقیدت مندانہ جھکا ہوا پاؤ گے، یہی مقام ہے مجدد العصر کا، اور یہی معنی ہیں کمال مرتبہ حسن و خوب روئی کے۔ صرف دوستوں ہی کی نظریں نہ اٹھتی ہوں۔ ایک عیب چین دشمن بھی دیکھے تو بے اختیار پکار اٹھے دلستاں صورتیں اور صبر آزما چتونیں ایسی ہوتی ہیں۔ عربی میں کہتے ہیں حسن وہ ہے جس کا سوکنوں کو بھی اقرار ہو۔

الخلق فمن خلق الله۔ غرضکہ آج بھی جب کہ بحکم بل قالوا مثل ما قال الاولون دورۂ فتن وکرۂ فساد پھر اسی نقطہ پر واپس آگیا ہے جہاں سے چلا تھا اور سارے تشکیکات و تدسیسات اور تلبیسات و تحریفات کے سارے فتنے بیک زمان و ظرف جاگ اٹھے ہیں جب طالب حق و یقین کو ہر طرف سے یاس و قنوط کا جواب مل چکا ہو اور جس کسی نے قطع طریق میں اپنے ہر رہنما کو خود گم کردۂ راہ و عقل باختہ تلصص تشکیلات و توسوس شبہات پایا ہو آئے، اور ائمہ حدیث واتمہ کے معارف و براہین خالصۂ کتاب و سنت کا مطالعہ کرے اور دیکھ لے کہ اقوال و حالات مندرجہ صدر کی سچائی اب بھی کیسی کھری اور غیر مبدل ہے اور سرچشمہ یقین و حکمت حاملین علوم نبویہ ہیں یا مقلدین یونان و فرنگ؟ ومایستوی الاعمیٰ و البصیر، ولا الظلمات ولا النور، ولا الظل ولا الحرور، وما یستوی الاحیاء و لا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء۔ وما انت بمسمع من فی القبور[2] (فاطر او الروم) ؎

ستعلم لیلیٰ ای دین تداینت!

وای غریم فی التقاضی غریمہا!

---

[1] تیری امت لوگ برابر کہتی رہے گی یہ کیسے ہے؟ یہ کیسے ہے؟ یہاں تک کہیں گے اچھا یہ خدا ہے جس نے تمام مخلوق پیدا کی ہے، اور خود خدا کو کس نے پیدا کیا ہے؟ (یہاں "تذکرہ" میں ایک حاشیہ ہے)

[2] بینا اور نابینا، اندھیری اور روشنی، چھاؤں اور دھوپ برابر نہیں اور نہ زندے اور مردے برابر ہیں خدا جسے چاہتا ہے بات سننے کی توفیق بخشتا ہے۔ تو انھیں اپنی باتیں نہیں سنا سکتا۔ جو قبروں میں ہیں۔

سواہ، وجہ یہ علی سنن السلف واخذہ من ذالک بالماخذ الاوفیٰ، وعزۃ مثلہ فی ھذا الزمان من ازمان، حکاہ ابن حجر فی درر الکامنہ۔

یعنی جو کچھ جناب نے شیخ تقی الدین۔ ابن تیمیہ کی نسبت لکھا ہے تو یقین کیجئے کہ یہ خادم ان کی قدر و منزلت کی بزرگی، علم کی بے پایانی، علوم نقلیہ و عقلیہ میں وسعت نظر، کمال ذکاوت و اجتہاد اور ان سارے اوصاف کمال میں وہاں تک پہونچ جانے کا معترف ہے جو حد توصیف سے باہر ہے۔ علی الخصوص ان اوصاف کے ساتھ ان کا زہد و ورع اور دیانت و حق پرستی اور صرف اللہ کے لئے نصرت حق میں قیام و ثبات اور طریق سلوک، اور موارد سلفیہ سے بحد کمال اخذ و نظر اور بہ حیثیت مجموعی ان کا وہ مرتبہ کمال کہ موجودہ عہد میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ بلکہ کتنے ہی عہدوں سے ایسے باکمال پیدا نہیں ہوئے۔ انتہیٰ یہ ہے قاضی القضات تقی الدین سبکی کی شہادت ابن تیمیہ کی نسبت، جن کی مخالفت پر شیخ ابن حجر مکی اور ان کے ہم مشربوں کو ناز ہے اور بار بار حوالہ دیتے ہیں کہ شیخ الاسلام سبکی نے ان کا رد کیا، تو یہ ہیں شیخ الاسلام سبکی، اور وہ تھے ابن تیمیہ!

متفق گردیدہ رائے بوعلی با رائے من!

سچ ہے "کمال" اور "حسن" ہی میں یہ اعجاز ہے کہ اگر تم پہاڑ کا جماؤ اور سمندروں کا طوفان بھی اپنے اندر پیدا کرلو، جب بھی اس کے سامنے ایک اڑتے ہوئے تنکے سے زیادہ وقعت نہ پیدا کر سکوگے۔ اگر تم اپنے سر کو جھکنے سے اور زبان کو بولنے سے روکو گے تو سچائی کا فرشتہ اپنے آہنی پنجوں سے تمہیں گرا دے گا اور حقیقت کا ہاتف تمہارے

لے یہاں ایک طویل فٹ نوٹ تھا 'تذکرہ' میں دیکھو۔

ومليحة شهادت لها ضراتها   والفضل ما شهدت به الاعداءُ[1]

امام ابن تیمیہ کے معاصرین میں سب سے زیادہ نامور مخالف قاضی تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنھوں نے مسئلہ زیارت وطلاق پر دو رسالے لکھے اور منہاج السنت کے متعلق ان کا قصیدہ مشہور ہے۔

ان الروافض قوم لاخلاق لهم الخ

لیکن علمار سلف کی مخالفتوں کو اگر تم اپنی نفس پرستانہ و متعصبانہ مخالفتوں پر قیاس کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ ان کا بھی وہی حال تھا جو آج تمہارا ہے تو یہ تمہاری غلطی ہے جہل و تعصب اگرچہ ہمیشہ دلوں پر حاکم رہے مگر علم والوں کا اخلاق ہمیشہ ایسا ہی نہیں تھا جیسا اپنا دیکھ رہے ہو۔

گفتی کہ چہ شد قاعدہ مہر و محبت؟
رسم کہنے بود بعہد تو برافتاد!

جب قاضی موصوف امام ابن تیمیہ کی مخالفت میں غلو و تشدد کرنے لگے تو حافظ ذہبی نے ایک خط لکھ کر ملامت کی۔ اس خط کے جواب میں معذرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں " واما قول سیدی فی الشیخ تقی الدین، فالمملوک یتحقق کبیر قدره وزخارة بحره، وتوسعه فی العلوم النقلیة والعقلیه، وفرط ذکائه واجتهاده، وبلوغه فی کل من ذالک المبلغ الذی یتجاوز الوصف، والمملوک یقول ذالک دائما وقدره فی نفسی اکثر من ذالک، واجل مع ما جمعه الله له من الزهادة والورع والدیانة ونصرة الحق والقیام فیه لا لغرض

---

[1] حسینہ جسکی گواہی سوکنیں بھی دیتی ہیں، اور بڑائی وہی ہے جس کی گواہی دشمن تک دیں۔

کی۔ جیسا کہ طباعت سے پہلے عام دستور تھا اور لوح پر لکھا۔ من مصنفات سیدنا، وشیخنا، وقدوتنا، الامام العالم العلامۃ الاوحد، البارع الزاھد الورع القدوۃ الکامل العارف سید العلماء، قدوۃ الائمۃ، حجۃ اللہ علی العباد، اوحد العلماء العاملین، آخر المجتہدین، شیخ الاسلام۔ الخ حافظ سیوطی کی اشباہ و النظائر النحویہ چھپ گئی ہے۔ حرف "لو" کی بحث میں ابن تیمیہ کی ایک تحریر نقل کی ہے جو شیخ زملکانی کے خط سے منقول ہے۔ شیخ موصوف ابن تیمیہ کی مدح میں کہتے ہیں۔

ماذا یقول الواصفون لہ؟	وصفاتہ جلت عن الحصر
ھو حجۃ للہ قاھرۃ	ھو بیننا اعجوبۃ الدھر
ھو آیۃ فی الخلق ظاھرۃ	انوارہ اربت علی الفجر

صاحب رد الوافر نے ان کا قول نقل کیا ہے" اجتمعت فیہ شروط الاجتھاد علی وجھھا" اور "کان اذا سئل عن العلم ظن السامع انہ لا یعرف غیر ذالک وکان الفقھاء من سائر الطوائف اذا جلسوا معہ، استفادوا فی مذاھبھم" الخ یعنی اجتہاد کی ساری شرطیں پوری طرح ابن تیمیہ میں جمع ہو گئیں۔ ان کی ہمہ دانی کا یہ حال تھا کہ جس علم میں زبان کھلتی معلوم ہوتا اسی کے ماہر و امام ہیں۔ تمام مذاہب کے فقہاء ان کے گرد جمع ہوتے اور اپنے اپنے مذہبوں کے علوم و مسائل میں استفادہ کرتے۔ انتہی۔

یہ ہے شہادت ان کے مشہور مخالف و حریف کی، اور اسی سے

حلق کے اندر بیٹھ کر تمہاری زبان کو ایک مدہوش و بے اختیار آدمی کی طرح کھول دے گا۔ سچائی اپنی گواہی پتھروں سے مانگ لے سکتی اور درختوں کو بلوا کر دلا سکتی ہے تو انسان کی روح و زبان کب اس کے فرمان قضا سے باہر رہ سکتے ہیں؟ دنیا میں کامل طاقت اور بے باک حکم صرف سچائی ہی کو پہونچتا ہے۔ یا اس کے دوسرے عرف میں کہہ سکتے ہیں کہ حسن کو اس کے سوا اس کائنات جمال میں ہے کون؟

اے سنگ بر تو دعوئے طاقت مسلم است
خود را نہ دیدۂ بہ کف شیشہ گر ہنوز!

شیخ ابن حجر مکی اور دیگر مخالفین ابن تیمیہ قاضی سبکی کے بعد قاضی جمال الدین زملکانی کی مخالفت سے استدلال کرتے ہیں۔ سو بلاشبہ انھوں نے بھی سخت مخالفت کی۔ دونوں مرتبہ وہی رئیس المناظرین تھے۔ حافظ ابن البلقینی لکھتے ہیں کہ جب ابن تیمیہ سے مناظرہ قرار پایا تو زملکانی کے سوا کوئی زبان نہ کھول سکا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں "حتی کان اشد المتعصبین علیہ والعاملین فی ایصال الشر الیہ ھو الشیخ الزملکانی" یعنی شیخ زملکانی نے سب سے زیادہ ان کے خلاف اظہار تعصب کیا اور مضرت پہونچانے میں ساعی ہوئے۔ لیکن معلوم ہے بایں ہمہ امام موصوف کے علم و عمل کی نسبت ان کی رائے کیا تھی؟ حافظ ابن رجب طبقات میں ان کا قول نقل کرتے ہیں (فیما احفظ عنہ) "لم یر من خمس مائۃ سنۃ" پانچ سو برس سے ایسا باکمال دیکھا نہیں گیا! امام ابن تیمیہ کی ایک کتاب الدلیل علی بطلان التحلیل ہے۔ قاضی موصوف نے یہ کتاب اپنے قلم سے نقل

باب

اوپر جو کچھ لکھا گیا تو مقام تجدید و عزیمت دعوت کے صرف ایک ہی پہلو کی
نسبت یعنی مراتب علم و نظر۔ لیکن یہاں کی سب سے بڑی آزمائش گاہ میدان
عمل ہے۔ حقیقت بہت زیادہ واضح ہوجاتی اگر ان کی حیات دعوت و اصلاح
کے اعمال و اقدامات کے مناظر سامنے آتے۔ تم دیکھتے کہ اس عہد کے تمام اصحاب
فضل و کمال میدان عمل و دعوت میں کہاں تھے، اور یہ مجدد العصر کہاں تھا؟

تقدم داکبا فیھم اماما ولولاہ لما دکبوا ورائہ

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کے اوائل کا زمانہ تاریخ
اسلام کا ایک نہایت ہی نازک اور انقلابی زمانہ تھا۔ مشرق میں عربی خلافت
کا بکلی خاتمہ ہوچکا تھا۔ ٹمٹماتے ہوئے چراغ بھی بجھ چکے تھے۔ تاتاریوں کا سیلاب
اپنی اصلی بلندیوں تک پہونچ چکا تھا اور اب تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل رہا اور

اندازہ کر لو کہ جب مخالفوں کا یہ حال تھا تو دوستوں اور منزلت شناسوں کی وارفتگی کا کیا حال ہوگا؟ کیا خوب فرمایا قاضی عینی حنفی نے ردالوافر کی تقریظ میں کہ اگر اور کسی اہل علم کا اعتراف منقول نہ ہوتا تو صرف یہی ایک شہادت ابن تیمیہ کے کمال مرتبۂ علم و عمل کے لئے کفایت کرتی تھی۔

اے گل! نہ ہمیں معرکہ من بتو گرم ست
ہنگامہ صد سوختہ خرمن بتو گرم ست

ایک طرف علماء دنیا و فقہاء دولت یعنی ہندوستان کی موجودہ بول چال میں سرکاری علماء و مشائخ کا ایک گروہ عظیم پیدا ہو گیا۔ دوسری طرف باہمی تعصب و تفرقہ کی آگ روز بروز زیادہ بھڑکنے لگی۔ حتیٰ کہ جن چھوٹے چھوٹے اختلافات کو پہلے عوام نے بھی اہمیت نہ دی تھی۔ اب ان کی بنا پر خواص فقہاء ایک دوسرے کی تضلیل کرنے لگے، اور جس گروہ کو حکومت میں زیادہ دخل ہوا اس نے دوسرے کو قید خانوں اور جلاوطنیوں کی مصیبت تک پہونچا کر چھوڑا۔ عوام کا فتنہ اسی زمانے میں اس درجہ تک پہونچا جہاں آج نظر آرہا ہے۔ شریعت کے اعتقاد و عمل کی ساری بادشاہی انہی کے ہاتھ ہے۔ جو بات چاہیں علماء سے کہلوا دیں اور جو بات اپنے ہوائے نفس کے خلاف پائیں۔ اس پر اسقدر ہنگامہ مچائیں کہ کسی کو زبان کھولنے کی مجال باقی نہ رہے۔ علم و عمل کی ساری بدعتیں جو آج مسلمانوں کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہیں حتیٰ کہ باب امتیاز مسدود، ان سب کا شیوع اور جماؤ اسی زمانہ میں ہوا تعلیم و تعلم کی تمام مجتہدانہ قوتیں ختم ہو چکی تھیں۔ اب صرف پہلے ذخیرہ کی مزید آرائش و تزئین میں ہمتیں مصروف تھیں۔ اسی چیز سے متون و شروح اور تلخیص و تعلیق وغیرہ کا طریقہ رائج ہوا جو بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچا کہ اس کے سوا اور تمام راہیں بحث و بیان کی بند ہو گئیں۔ مذہبی عہدوں کا ذریعہ صرف فروع فقہ کا علم تھا۔ اس لئے علوم دینیہ میں سے صرف اسی پر قناعت کر لی گئی۔ رفتہ رفتہ علوم اصلیہ قرآن و حدیث متروک و مہجور ہو گئے۔ یہ بات پہلے سے ہو چکی تھی (جیسا کہ امام غزالی وغیرہ نے تصریح کی ہے) لیکن اب بحد غایت پہنچ گئی۔ عملیات میں اہل کتاب اور عجمی اقوام کے اختلاط و امتزاج کا معاملہ آخری حد تک پہنچ چکا تھا۔ اس لئے بدع و رسوم کا فتنہ بھی اپنی پوری قوت اور احاطہ تک پہنچ

اور ہر رکنے اور ٹھہرنے کی جگہ ٹھہر رہا تھا۔ یہ وحشی درندے صرف تخت وتاراج کے لئے آئے تھے، لیکن اب پچاس لاکھ مسلمانوں کے خون اور چھ صدیوں کے اسلامی تمدن کی ویرانی پر اپنی سلطنت کی عمارت تعمیر کر رہے تھے۔ ہلاکو کا پوتا اگرچہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن ابھی یہ تبدیلی محض برائے نام تھی۔ وحشت وخونخواری میں تمام تاتاری خصائل بدستور کام کر رہے تھے۔ مسلمانوں کا کوئی مرکز باقی نہ رہا تھا۔ برسوں تک جمعہ کے خطبے کسی سلطان اسلام کے ذکر سے خالی رہے اس عام بربادی نے مسلمانوں کی تمام اخلاقی قوتیں بھی فنا کر دیں۔ تاتاریوں کی ہیبت نے زندوں کو مردہ بنا دیا تھا۔ وہ صرف خون بہاتے اور نعشوں کے پل اور سروں کے منارے کھڑے کرتے۔ ایک چھوٹی سی تکری آبادیوں کی آبادیاں ذبح کر ڈالتی اور بادشاہوں اور فوجوں کو سر اٹھانے کی جرأت نہ پڑتی جب کوئی مرکز نہ رہا تو شریعت کا بھی کوئی محافظ نہ رہا، نہ امت کا کوئی رہبر۔ وہ سارے علمی وعملی مفاسد جو آج نظر آرہے ہیں، یا تو اسی عہد میں پیدا ہوئے، یا ہو چکے تھے تو اسی عالم آشوبی میں کمال وبلوغ کو پہونچے۔ علوم اصلیہ قرآن وحدیث کے ترک کی بنیادیں اسی عہد میں استوار ہوئیں۔ تقلید شخصی اور مذہبی فرقہ بندی کے التزام اور تعصب نے اسی زمانے میں پورا پورا زور پکڑا۔ تاتاریوں کو سب سے پہلی دعوت حنفیوں اور شافعیوں کے باہمی پیکار ہی نے دی تھی۔ نو مسلم حکمراں مذہب وعلم سے ناآشنا تھے، اس لئے مذہبی حکومت تمام تر علماء وفقہاء مذاہب کے ہاتھ آگئی ہر مذہب کے لئے الگ الگ قاضی، الگ الگ مدارس، اوقات، ائمہ جمعہ، اور مذہبی عہدے قرار پائے۔ یہی چیز صدہا مفاسد ومصائب کا باعث ہوئی،

میں پیدا کردی۔ علم ہی میں نہیں، بلکہ میدان جہاد و قتال میں بھی ان کا گھوڑا سب سے آگے رہتا تھا۔ ذہبی نے کہا "اما شجاعۃ فبھا تضرب الامثال ویتشبہ اکابر الابطال حتی کانہ لیث حرب" ایک صدی کے قتل و غارت نے تمام ملک کو جرات و ہمت سے کورا کردیا۔ بے غیرتی و بزدلی سے سب کے دل مردہ ہوگئے تھے۔ مگر اب وہی آبادیاں تھیں جو خود منزلوں آگے بڑھکر تاتاریوں کا مقابلہ کرتیں اور یقین کرتیں کہ مسلمان اگر مسلمان ہو تو کوئی طاقت اسے مغلوب نہیں کرسکتی۔ انکے زندگی کے حالات امام ذہبی کی زبانی سنو تو معلوم ہو کہ دل کی جگہ سیماب، اور ہمت و عزم کی جگہ ایک پہاڑ تھے۔ دل کی بیقراریوں نے کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ مگر ہمت کی کوہ وقاری نے جہاں جمایا بغیر فتح و نصرت کے منھ نہ موڑا۔ ساتھ ہی علوم و عقائد کی تجدید و اصلاح کا عظیم الشان کام بھی اس اہتمام سے انجام دیا کہ بڑی جماعتوں سے بھی انصرام نہ پاتا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ ابتدا خلقت سے دین حق کی وحدت، اصل شرع کے ہر حال و ہر شکل میں ایک ہونے، خیر القرون کے علم و عمل کی از سر نو تجدید، دین الخالص اور سنت خالصہ و محضہ کے اعتصام، اور تمام تفرقوں اور فرقہ بندیوں اور بدعتی راہوں کے خلاف قولاً و عملاً دعوت اولی کی صدا اس

لہ ان کی شجاعت ضرب المثل ہے اور بڑے بڑے بہادروں کے مشابہ ہے، وہ میدان جنگ میں شیر ببر معلوم ہوتے تھے۔ تو یہی وجہ ہے کہ بالآخر وہ بھی اس فتنہ سے دوچار ہوئے جو اکثروں کو اس کام میں پیش آیا ہے یعنی سیاسی دعوت اور سلطنت و امامت کبری کی بدگمانی۔ علماء سوء کو ان کی مخالفت میں بڑی کامیابی اسیلئے ہوئی کہ پولیٹیکل خطرہ دکھلا کر حکام وقت کو مخالف بنا دیا۔ حافظ ابن حجر درر میں لکھتے ہیں "ونسبہ قوم الی انہ یسعی للامامۃ الکبری فانہ کان یلھج بذکر ابن تومرت ویطریہ فکان ذالک مؤکد الطول سجنہ" اور ابن کثیر لکھتے ہیں "ومن جملۃ اسباب علیہ خوفھم انہ ربما یدعی ویطلب الامامۃ فلقی احد او علیہ طرفا من فالک وحساوا اللامر أجلسہ لسد تلک المسالک۔"

گیا اور بڑے بڑے علماء کی نظریں اس کے نفوذ و احاطہ کے اندر گم ہو گئیں۔ ایک بڑی مصیبت جو مسلمانوں پر نازل ہوئی۔ تصوف حقیقی و صالح کے علم و عمل کا تنزل اور جہل و عشق کی کثافتوں سے اس جوہر کا امتزاج اور اہل صلاح و طہارت کی جگہ خانقاہوں اور صومعوں کی عمارتوں کا پیدا ہو جانا ہے۔ یہ چیز اس عہد میں پوری طرح نشو ونما پا چکی تھی علی الخصوص دیار مصر و شام میں کہ بقیہ السلف مسلمانوں کا مامن و ملجا تھے، صرف رسمی خانقاہوں اور خرقہ پوشوں کی شہنشاہی تھی۔ خود ملوک و سلاطین بھی انہی کے معتقد تھے اور حکومت کے زور سے ان کی بدعتیں اور جہالتیں پھیلاتے تھے جس گروہ کے قبضہ میں وقت کا بادشاہ اور عوام کا غول ہو، اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ ملک بیبرس چاشنگیر جس کے عہد میں نہ صرف ابن تیمیہ بلکہ تمام ائمہ عہد مثلاً امام ابن دقیق العید و حافظ مزی و علم الدین برزالی وغیرہم مبتلائے محن ہوئے، شیخ نصر المنبجی صاحب خانقاہ دمشق کا معتقد تھا۔ اسی شیخ نے بیبرس کو ابن تیمیہ کے خلاف بھڑکایا تھا۔ غرض کہ ملت و شریعت کی سیزدہ صد سالہ زندگی جو سخت سے سخت انقلابی زمانے گذر چکے ہیں، ان سب سے زیادہ سخت و مہلک زمانہ تھا اور ایک انقلابی برزخ تھا کہ اصلاح کی تمام پچھلی قوتیں ختم ہو چکی تھیں اور فساد کے تمام تخم آئندہ کیلئے پھل پھول رہے تھے۔ وقت نہ تو بڑے بڑے مدرسوں کا طالب تھا، نہ بڑی بڑی خانقاہوں کا، بلکہ صرف ایک ایسی زبان قدم کے تشنۂ و بیقرار تھا جسمیں "عزم" ہو۔ اور عازمانہ دعوت و امامت۔ سیکڑوں اعاظم وقت میں سے کسی کو بھی یہ منصب نہ ملا۔ امام ابن تیمیہ ہی تھے جو زمانے کو پلٹ دینے اور دلوں کو بدل دینے کے لئے اٹھے اور ایک ہی وقت و زندگی میں وقت کی ہر طلب و سوال کا جواب دیا۔ تاتاریوں کے مقابلے میں حفظ ملت و بلاد کی ایک نئی زندگی بلاد مصر و شام

کہیں زیادہ قابل ذکر امور چھوڑ دیئے گئے۔ حافظ ذہبی کو بھی ایسی ہی صورت پیش آئی تھی جن لفظوں میں انھوں نے معذرت پیش کی تھی میں کروں گا "ومن خالطه وعرفه، قد ینسبنی الی التقصیر فیه۔ ومن نابذه وخالفه قد ینسبنی الی التغالی فیه" قال فی المعجم۔ یعنی جو لوگ امام ابن تیمیہ کے مقامات و مراتب کے جاننے والے ہیں، وہ تو مجھے الزام دیں گے کہ جس قدر مدح کرنی تھی نہ کی، اور جو بے خبر اور مخالف ہیں، وہ میرے بیان کو غلو و مبالغہ قرار دیں گے۔ انتہی۔ قلت

واذا لم تر الهلال، فسلم

لاناس راوه بالابصار

—۔۔۔—

قوت و نفوذ کے ساتھ بلند کی کہ وقت کا کوئی شور و غوغا اس پر غالب نہ آسکا۔ اور گو ہمیشہ بڑی قاہر و جابر کوششیں اس کے خلاف کی گئیں۔ مگر اس کی گونج رہ رہ کر اٹھتی اور دب دب کر ابھرتی رہی، حتی کہ اگر آج بھی مختلف گوشوں سے صدائیں اٹھ رہی ہیں تو وہ بھی اسی بازگشت کی گرج ہے۔ متنبی نے کیا خوب کہا ہے۔

وما الدھر الا من رواۃ قصائدی اذا قلت شعرا صبح الدھر منشدا

دشمنان حق کے پاس سب سے بڑا آلہ تعذیب قید خانے کی کوٹھریاں ہیں مگر یہ چیز بھی ان کی عزیمت دعوت کے مقابلہ میں بیکار تھی۔ مصر میں جب قید کئے گئے تو تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ جب قلم دوات بھی چھین لی گئی تو قید خانے کے اندر قیدیوں پر نظر ڈالی۔ ان کا بڑا حصہ ڈاکوؤں رہزنوں اور قاتلوں پر مشتمل تھا لیکن چند دنوں کے اندر انھیں شیطان سے فرشتہ بنا دیا۔ علم و عمل کی جو برکتیں خانقاہوں اور مدرسوں کو نصیب نہ تھیں، وہ جیل خانے کے اندر ہر طرف نظر آنے لگیں۔ صاحب کواکب لکھتے ہیں "حتی صار المجلس بالاشتغال بالعلم والدین خیرا من کثیر من الزوایا والربط والخوانق والمدارس" یہ معنی ہیں ایمان کامل اور مقام عزیمت علم و عمل کے۔ چراغ جہاں کہیں رکھا جائے گا، اجالا ہو جائے گا۔ پھولوں کا گلدستہ طاق سے اتار کر کوڑے کرکٹ کی ٹوکری میں ڈال دو لیکن اس کی خوشبو ضرور پھیلے گی۔ مور نے کہا۔ میرا چمن میرے ساتھ ہے۔ باغ و بہار کا محتاج نہیں۔ جہاں کہیں جائے گا روشنی پھیلائے گا۔ جس جگہ سے گذرے گا، ہوا کی عطر بیزی بتلا دے گی کہ کوئی گذرنے والا یہاں سے گذرا ہے۔

ابھی اس راہ سے گذرا ہے کوئی ❊ کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

امام ابن تیمیہ کے تذکرہ میں بہت طول ہو گیا۔ بااین ہمہ جسقدر لکھا گیا اس سے

جونپوری وغیرہم اپنے وقتوں کے مالک اور علم و تعلم کے بادشاہ سمجھے جاتے تھے یا ایں ہمہ دوسرے دوسرے گوشوں اور کاموں میں وقت بسر کر گئے۔ اس راہ میں تو ایک قدم بھی نہ اٹھ سکا۔ شیخ عبدالحق کو تو حضرت مجدد کے بارے میں سخت لغزش بھی ہوگئی۔ اصحاب طریقت میں حضرت خواجہ باقی باللہ جیسے عارف کامل خود دہلی میں بعہد اکبری مقیم رہے۔ لیکن وہ کہتے تھے۔ میں چراغ نہیں ہوں چقماق ہوں۔ آگ نکال دوں گا۔ چراغ احمد سرہندی ہے۔ جو حالت اس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ترکستان و خراسان کی ہو رہی تھی ان سب کے سامنے تھی۔ بہت سے اس پر آہ و فغاں کرتے تھے۔ مگر اس سے معاملہ آگے نہیں بڑھتا تھا۔ ہندوستان میں سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ تمام عوام و خواص پر تصوف کا رنگ غالب تھا بحدیکہ اس کے سوا علماً و عملاً کوئی بات مقبول نہ تھی۔ لیکن تصوف صالح کا جوہر پاک جہل و بدعت کی آمیزش سے یکسر مکدر ہو چکا تھا۔ اسی طرح اباحت و مطلق العنانی تھی جس کو طریق باطن و اسرار سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ خانقاہوں اور سجادہ نشینی کے سلسلوں کے جال میں پوری اقلیم جکڑ بند تھی۔ دوسری طرف عہد اکبری کی بدعتیں تخت و تاج حکومت کے زور سے ہر طرف پھیل چکی تھیں اور علماء سوء و مشائخ دنیا خود ان کے احداث کے باعث ہوئے تھے۔ کون تھا کہ اس وقت امن و عافیت کے مدرسوں اور سلطانی و فرماں روائی کی خانقاہوں سے نکلتا اور دعوت و اصلاح کی امتحان گاہ میں قدم رکھتا۔ خود حضرت موصوف ایک مکتوب میں اپنے فرزند کو لکھتے ہیں "اے فرزند! ایں وقت آں ست کہ در امم سابقہ دریں طور وقتیکہ پر از ظلمت ست، پیغمبر اولوالعزم مبعوث می گشت و بنائے شریعت جدیدہ می کرد۔ دریں امت کہ خیر الامم ست و پیغمبر ایشاں خاتم الرسل، علماء را مرتبہ انبیاء دادہ اند، و از وجود علماء بوجود انبیاء کفایت فرمودہ اند۔ دریں وقت عالمے

مقصود اصلی اس تذکرہ سے یہ تھا کہ "دعوت" کا مقام دوسرا ہے اور "عزیمت" دعوت کا دوسرا۔ ضرور نہیں کہ ہر رہرو کی یہاں تک رسائی ہو۔ عہد ظہور دعوت میں ہزاروں اصحاب علم و کمال موجود ہوتے ہیں مگر دروازہ کا کھولنے والا صرف ایک ہی ہوتا ہے۔

یہ چند متفرق مثالیں تو دور کی تھیں خود ہندوستان ہی کی تاریخ دیکھ لو۔ ہمیشہ ایسا ہی معاملہ نظر آئے گا۔ شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء و مشائخ سے بالکل خالی ہو گیا تھا؟ لیکن مفاسد وقت کی اصلاح کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ صرف شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا وجود گرامی ہی تن تنہا اس کار و بار کا کفیل ہوا۔ معلوم ہے کہ اس عہد میں بڑے بڑے علماء و اصحاب خانقاہ موجود تھے۔ بدایونی و طبقات اور روضۃ العلماء و اخبار الاخیار وغیرہ دیکھو۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان میں عالموں اور پیروں کے سوا اور کوئی بستا ہی نہیں۔ علماء میں شیخ وجیہہ گجراتی، شیخ علی متقی، شیخ جلال تھانیسری، ملا محمود جونپوری، مولانا یعقوب کشمیری ملا قطب الدین سہالوی، شیخ عبد الحق محدث، ملا عبد الحکیم سیالکوٹی، مولانا الہداد

سید عبدالقادر کوکبانی، شیخ عمر فاسی تیونسی، شیخ سالم البصری، امیر محمد بن اسماعیل یمانی، شیخ عبدالخالق زبیدی، علامہ فلانی صاحب ایقاظ، شیخ محمد حیات سندھی المدنی وغیرھم، کہ شاہراہ عام سے اپنی راہ الگ رکھتے تھے اور حقیقت مستورہ سے ناآشنا نہ تھے۔ بایں ہمہ معلوم ہے کہ وہ جو امام وقت کا مقام ہے نہ صرف حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ ہی کے لئے تھا اور لوگ بھی بیکار نہ رہے کام کرتے رہے۔ مگر جو کام یہاں انجام پایا وہ صرف یہیں کیلئے تھا۔

فیضی احسنت ازیں عشق کہ دوراں امروز ؎ گرم دارد ز تو ہنگامۂ رسوائی ما،

تفہیمات میں اس معاملہ کے معارف لکھتے ہوتے کہیں تو اپنی طرف بیگانہ وار اشارہ کر جاتے ہیں۔ کہیں کہیں جوش قلبی کی بے اختیاریوں میں صاف صاف بھی لکھ گئے ہیں۔ اپنے ترجمہ میں لکھتے ہیں "نعمت عظمٰی بریں ضعیف آنست کہ او را خلعت فاتحیت دادند، وفتح دورۂ بازپسیں بر دست وے کردند"۔ تفہیمات میں لکھتے ہیں کہ "بہ سرم در دادند کہ ایں حقیقت بہ مردم برساں۔ امروز وقت وقت تست، و زمان زمان تو، وائے بر کسے کہ زیر لوائے تو نہ باشد"۔ ایک اور تفہیم میں یہ کیفیت زیادہ سرمستی کے ساتھ کھلی ہے۔ "فہمنی ربی انا جعلناک امام ھذہ الطریقۃ، وسددنا طرق الوصول الی حقیقۃ القرب کلھا الیوم غیر طریقۃ واحدۃ، وھو محبتک والانقیاد لک۔ فالسماء لیس علی من عادالک بسماء۔ ولیست الارض علیہ بارض۔ فاھل الشرق والغرب کلھم رعیتک وانت سلطانھم، علموا اولم یعلموا۔ فان علموا فازوا، وان جھلوا خابوا"۔ ایک اور تفہیم میں لکھتے ہیں۔ "ومن نعم اللہ علی ولا فخر، ان جعلنی ناطق ھذہ الدورۃ وحکیمھا، وقائد ھذہ الطبقۃ وزعیمھا۔ فنطق علی لسانی، ولفث فی نفسی۔ فان نطقت باذکار القوم واشغالھم نطقت بجوامعھا وان تکلمت علی نسب القوم فیما بینھم وبین ربھم۔ رویت لی مناکبھا

عارفے تام المعرفت ازیں امت در کار ست کہ قائم مقام انبیاء اولعزم باشد،
فیض روح القدس ار باز مدد فرماید .:. دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد!
کچھ شک نہیں کہ توفیق الٰہی نے حضرت ممدوح کے وجود گرامی ہی کیلئے یہ مرتبہ خاص کر دیا تھا۔
باقی جس قدر تھے یا تو مدرسوں میں پڑھاتے رہے، یا موٹی موٹی کتابیں اور نئی نئی شرحیں اور
حاشیے لکھتے رہے۔ یا پھر ان کی تضلیل و تکفیر کے فتووں پر دستخط کرتے رہے۔ دوسری جلد
کے چوتھے مکتوب میں لکھتے ہیں "از حق الیقین و عین الیقین چہ گوید؟ و اگر گوید کے فہم کند؟ ایں
معاملات از حیطۂ ولایت نیست۔ ارباب ولایت بہ رنگ علماء ظواہر در ادراک آں عاجز
اند۔ ایں کار مقتبس از مشکوٰۃ نبوت است کہ بعد از تجدید الف ثانی بہ تبعیت و وراثت تازہ
گشتہ۔ صاحب ایں علوم و معارف مجدد ست"۔ یہ جو بار بار کہہ رہا ہوں کہ وقت کا
سلطان اور خزینہ دار ایک ہی ہوتا ہے۔ خواہ کوئی ہو اور کیسا ہی ہو مگر اس سے الگ رہ کر کچھ
نہیں پا سکتا۔ تو یہ وہی حقیقت ہے جس کو بار بار حضرت ممدوح فرماتے رہے اور ان سے پہلے
بھی تمام محرمان راہ نے اشارات کئے "مجدد آنست کہ ہرچہ دراں مدت از فیوض بہ امت
رسد، بہ توسط او رسد۔ اگرچہ اقطاب و اوتاد آں وقت باشند"۔

خاص کند بندۂ مصلحت عام را

پھر بارھویں صدی کا ایک عظیم ظہور علوم و معارف دیکھو۔ زمین بنجر ہو چلی تھی پھر
بھی کھیتوں کی سبزی اور چمنوں کی لالی سے کوئی گوشہ خالی نہ تھا۔ تیرھویں صدی کے تمام
کار و بار علم و طریقت کے اکابر و اساتذہ اسی صدی میں سربر آوردہ ہوئے۔ بعض بڑے بڑے
سلاسل درس و تدریس کی بنیادیں اسی میں استوار ہوئیں۔ ہندوستان سے باہر بلاد عربیہ و
عثمانیہ میں اکثر مشاہیر علم و ارشاد کا ظہور ہوا، جیسے شیخ ابراہیم کردانی، محمد بن احمد سفارینی النجدی،

حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام ہر رنگ میں کس درجہ جامع ہے؟ بایں ہمہ یہاں جو کچھ ہوا تجدید و تدوین علوم و معارف تک محدود رہا۔ اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ فعلاً عمل ولفاظاً و ظہور و شیوع کا کام تو کسی دوسرے ہی مرد میدان کا منتظر تھا۔ اور معلوم ہے کہ توفیق الٰہی نے یہ معاملہ صرف علامہ شہید کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ خود شاہ صاحب کا بھی اس میں حصہ نہ تھا

میخواست رستخیز زعالم بر آورد + ان باغبان کہ تربیت ایں نہال کرد

اگر شاہ صاحب بھی اسوقت ہوتے تو انہی کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے۔ حضرت پیر انصاری کا قول یاد رہے "من مرید خرقانی ام لیکن اگر خرقانی دریں وقت می بود، باوجود پیری ش مریدی می کردم" شاہ صاحب مزاج وقت کے عدم تحمل و استعداد سے مجبور ہو کر بحکم مصرعہ بہ رمز نکتہ ادامی کنم کہ خلوتیاں

سر سبو بکشادند و دہ فرو بستند!

دعوت و اصلاح امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کر دیئے تھے اب اس سلطان وقت و اسکندر عزم کی بدولت شاہجہاں آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پران کا ہنگامہ مچ گیا، جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی، وہ اب سربازار کہی جا رہی تھیں، اور خون شہادت کے چھینٹے حرف و حکایات کو نقوش و سواد بنا کر صفحۂ عالم پر ثبت کر رہے تھے

آخر تو لائیں گے کوئی آفت فغاں سے ہم + حجت تمام کرتے ہیں آج آسماں سے ہم

پھر کیا اس وقت ہندوستان علم و عمل سے خالی ہو گیا تھا؟ یا حق پر چلنے والے اور حق کا درد رکھنے والے معدوم تھے؟ کون ہے جو ایسا کہہ سکتا ہے؟ خود اسی خاندان عالی میں اساتذہ علم و عمل موجود تھے، شاہ عبدالعزیز کے درس و تدریس کی بادشاہت

وقبضت علی جوامع خطامها۔ وان خطبت باسرار اللطائف وغوامض الحقائق، تعوصت قاموسها، وتلمست ناعوسها، وقبضت علی جلابیبها واخذت بتلابیبها وان بحثت عن علم الشرائع والنبوات، فانا لیث عرینها، وحافظ جریتها، ووارث خزائنها ومباحث مغانیها، اتیتهم بعجائب لا تحصیٰ وغرائب لا اکتناه لها یدجی شرعها۔ وکم للہ من لطف خفی یدق خفاہ عن فہم الزکی[۲]"۔ ایک اور موقع پر کہتے ہیں "لما تمت بی دورۃ الحکمۃ، البسنی اللہ تعالیٰ خلعۃ المجددیۃ، فعلمت علم الجمع بین المختلفات۔ الخ[۳]" اس باب میں ان کے اشارات بے شمار ہیں علی الخصوص تفہیمات میں کہ متعدد رسائل و مقالات اسی مقام کی شرح و تحقیق میں لکھے ہیں اور ان سب کے آخر میں ذوق باطن کے التہاب سے بے خود ہو کر اپنے معاملات کی طرف بھی اشارہ کر جاتے ہیں گویا ابو العلا معری کا یہ شعر جا بجا نئے نئے پیرایوں میں ان کی زبان ترنم اور کلک تحدیث تک آ آ کر رہ جاتا ہے۔

وانی وان کنت الاخیر زمانہ   لآت بما لم تستطعہ الاوائل

اور پھر چند قدم اور آگے بڑھو۔ مقام عزیمت و دعوت کی کیسی آج کا امثال سامنے آتی ہے

حاشیہ ۔ ۱ صفحہ ۱۳ میرے رب نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام بنا لیا ہے، درحقیقت قرب تک پہونچنے کے تمام راستے بند کر کے صرف ایک راستہ کھلا رکھا ہے اور وہ تیری محبت اور پیروی کا راستہ ہے جو تیرا اخلاف ہے اس پر نہ آسمان ہے اور نہ زمین، مشرق اور مغرب کے سب لوگ تیری رعیت ہیں، اور تو ان کا سلطان ہے چاہے جانیں یا نہ جانیں، اگر وہ یہ بات جان لیں تو انکے لئے کامیابی ہے ورنہ خیبت و خسران۔ ۲ صفحہ ۳۵ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت بغیر کسی فخر کے یہ ہے کہ اس نے مجھے اس دور کا ناطق و حکیم اور اس طبقہ کا قائد و زعیم بنا دیا ہے وہ میری زبان کے ذریعہ بولتا اور میرے قلب میں القا کرتا ہے چنانچہ جب میں بولتا ہوں تو جامع الکلم بولتا ہوں اسرار و حقائق کھولتا ہوں شریعت و نبوت کے علوم ظاہر کرتا ہوں۔ میں بیشمار عجائب و غرائب پیش کر چکا ہوں۔ ۳ اللہ تعالیٰ نے مجھے مجددیت کی خلعت پہنا دی ہے چنانچہ مجھے جمع بین المختلفات کا علم حاصل ہو گیا ہے۔ ع

اور محل شاہی میں پلے ہوؤں کا دماغ کہاں سے لا سکتا ہے؟

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست   کلاہ داری و آئین سروری داند

بُودوں بڈوں کا یہ عذر ہوتا ہے کہ وقت ساتھ نہیں دیتا اور سروسامان واسباب فراہم نہیں۔ لیکن وقت کا عازم و فاتح اٹھتا ہے اور کہتا ہے۔ اگر وقت ساتھ نہیں دیتا تو میں اسے ساتھ لے لوں گا۔ اگر سروسامان نہیں تو اپنے ہاتھوں سے تیار کر لوں گا اگر زمین موافق نہیں تو آسمان کو اترنا چاہیئے۔ اگر آدمی نہیں ملتے تو فرشتوں کو ساتھ دینا چاہیئے۔ اگر انسانوں کی زبانیں گونگی ہو گئی ہیں تو پتھروں کو چیخنا چاہیئے۔ اگر ساتھ چلنے والے نہیں تو کیا مضائقہ؟ درختوں کو دوڑنا چاہیئے۔ اگر دشمن بے شمار ہیں تو آسمان کی بجلیوں کی بھی کوئی گنتی نہیں۔ اگر رکاوٹیں اور مشکلیں بہت ہیں تو پہاڑوں اور طوفانوں کو کیا ہو گیا کہ راہ صاف نہیں کرتے؟ وہ زمانہ کا مخلوق نہیں ہوتا کہ زمانہ اس سے اپنی چاکری کرائے۔ وہ وقت کا خالق اور عہد کا پالنے والا ہوتا ہے اور زمانہ کے حکموں پر نہیں چلتا۔ بلکہ زمانہ جھکتا ہے تا اس کی جنبش لب کا انتظار کرے۔ وہ دنیا پر اس لئے نظر نہیں ڈالتا کہ کیا کیا ہے جس سے دامن بھر لوں؟ وہ یہ دیکھنے کے لئے آتا ہے کہ کیا کیا نہیں ہے جسے پورا کر دوں۔ اس کا مایہ خمیر بخشش و نوال ہے طلب و سوال نہیں۔ اس کی نظریں طاق کی بلندی نہیں ناپتیں۔ ہمیشہ اپنے ہاتھ کی رسائی اور قد کی بلندی دیکھتی رہتی ہیں۔ اس کا فغاں عجز و نا امیدی یہ نہیں ہوتا

کمند کوتہ، و بازوے سست، بام بلند   بہ من حوالہ و نومیدم گنہ گیرند!

بلکہ ہمیشہ اس نشید کامرانی و رجز پیروزی سے غلغلہ انداز عالم و عالمیان ہوتا ہے،

(کما قال القاضی السعید بن سناء الملک رحمۃ اللہ علیہ)

سمرقند و بخارا اور مصر و شام تک پھیلی ہوئی تھی شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین علم و عمل کے آفتاب تھے۔ خاندان سے باہر اگر ان کے تربیت یافتوں کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ نہ تھا جہاں ان کا فیضان علم کام نہ کر رہا ہو۔ بایں ہمہ یہ کیا معاملہ ہے کہ وہ جو وقت کا ایک سب سے بڑا کام تھا اس کے لئے کسی کے قدم کو جنبش نہ ہوئی۔ سب دوسرے دوسرے کاموں میں رہ گئے۔ یا حجروں کا کام یا مدرسوں کا۔ لیکن میدان والا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ وہ گویا ایک خاص پہناوا تھا جو صرف ایک ہی جسم کے لئے تھا اور ایک ہی ہستی آیا دنیا اس کیلئے خلوت عظمت اور تشریف قبول کاندھے پر ڈالے منتظر کھڑی تھی، زمانہ اپنے سارے سامانوں کے ساتھ کب سے اسکی راہ تک رہا تھا، امیدواروں پر امیدوار ایکے بعد دیگرے گذرتے رہے مگر اسکا مستحق کوئی نہ نکلا۔

بار غم او عرض بہر کس کہ نمودم ✻ عاجز شد و ایں قرعہ بنام زسر افتاد

تو یہ وہی حقیقت ہے جو کتنی دیر سے تمہارے ذہن نشین کر رہا ہوں۔ یعنی اس وادی کا مرد کار ہر صاحب علم و عمل نہیں ہو سکتا۔

مرد ایں رہ را نشانے دیگر ست

استادی و شاگردی، نوعمری و کہولت، خانقاہوں کی دھوم دھام، اور مدرسوں کا ہنگامہ، یہ ساری باتیں یہاں کے لئے بیکار ہیں۔ ان سارے عہدوں میں دیکھو۔ باعتبار علم و عمل ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر موجود تھا، اور بقدر طاقت دعوت و تذکیر میں ساعی بھی تھا۔ تاہم دعوت دوسری چیز ہے اور عزیمت دعوت کا مقام دوسرا ہے۔ اس کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ گڑھیوں کا محاصرہ کر لینا آسان ہے مگر قلعوں اور ملکوں کی تسخیر کی دھن دوسری ہوتی ہے۔ ایک شخص کتنا ہی امیر الامراء ہو لیکن پھر امیر ہے۔ بادشاہوں کا عزم

فلا تجهد نفسک فی کشف مراتبھم، وذوق حقائقھم، حتی تتصل منھم لسبب، وتمسک من ھدیھم لطوف فلسان حالھم ینشد ے

وکم سائل عن سر لیلی رددتہ | لعمیاء من لیلی لغیر یقین
یقولون خبرنا فانت امینھم | وما انا ان خبرتھم بامین

باب

مقام "عزیمت دعوت" اور "احیاء و تجدید امت" کی نسبت یہ افکار پریشان بلا قصد زبان قلم پر آگئے، تو اگرچہ اس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہ تھا، لیکن زیادہ تر یہ خیال باعث ہوا کہ شاید ان حالات و وقائع کا مطالعہ اصحاب صلاح و استعداد کیلئے کچھ سودمند علم و عمل ہو اور بحکم "ان لم تبکو فتباکو" اور

فتشبھوا ان لم تکونوا مثلھم | ان التشبہ بالکرام کرام

کسی کے قلب بصیرت و دیدۂ اعتبار کو ان مجددین ملت اور مصلحین حق کے اتباع و تشبہ کی توفیق ملے۔ شاید کوئی مرد کار اور صاحب عزم وقت کی پکار پر لبیک اور زمانہ کی طلب و جستجو کا سراغ بنے۔ آج اگر کام ہے تو بس یہی کام ہے اور ڈھونڈھیے تو صرف اسی کی۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

وانك عبدی یا زمان، وانني	علی الرغم مني ان ادیٰ لك سيدا
وما انا راض انني واطی الثری	ولي همة لا ترتضی الافق مقعدا
ولو علمت ذهی النجوم مكانتی	لخرت جميعا نحو وجهی سجدا
اری الخلق دوني اذا اراني فوقهم	ذكا وعلما واعتلاء وسودد ا
ویابیٰ اباءٔ ان یرانی قاعدا	وانی اری كل البرية مقعدا
ولو نخوی حادث الدهر كفه	لحدثت نفسی ان امد له يدا

ستاروں سے تمام فضاء سمائی بھری پڑی ہے لیکن وہ دار ستارے ہمیشہ طلوع نہیں ہوتے۔ یہی حال اصحاب عزائم کا ہے۔ وہ کائنات ہستی کا ایک بالکل الگ گوشہ ہے اور وہاں کے احکام و قوانین کو دنیا کے اعمال عادیہ پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ ان کی قوتیں الٰہی ان کے وسائل غیر منقطع ان کی ترقیاں لازوال اور ان کے تمام طریقے غیر مختتم ہوتے ہیں۔ اللہ کی حکمت و ربوبیت انھیں تمام خلق اللہ میں سے چن لیتی اور بحکم "واللہ یختص برحمته من یشاء" اپنی رحمتوں اور ربوبیتوں کے عجائب و خوارق ان کے لئے مخصوص کر دیتی ہے۔ پھر ان کے معاملات میں نہ تو کسی دوسرے کا ساجھا ہوتا ہے نہ کسی مدعی کی وہاں تک رسائی۔ اولٰئك قوم لما دعوا اجیبوا احبوا، ولما احبوا اخاصوا، ولما اخلصوا استخلصوا، صدقت منهم الضمائر فصفت منهم السرائر، وصاروا صفوة الله فی ارضه، ففاضت علیهم الموارد، وامتلأت قلوبهم من اسراره۔

الا ان وادی الجزع اضحی ترابه	من المسك كافورا واعواده رندا
وما ذاك الا ان هندا عشية	تمشت، وجرت فی جوانبه ردا

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں　　گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

یہ حکایتیں ان عہدوں کی تھیں جو موجودہ زمانہ کے مقابلہ میں گویا عہد اقبال تھا۔ موجودہ وقت اور اس کی تاریکیاں دیکھو، اور پھر ہر طرف روشنی اور روشنی دکھلانے والوں کی نایابی پر ماتم کرو۔ خدمت گذاروں کی پکار اور ہر طرف مزدوروں کی ڈھونڈھ ہے مگر مزدور کہیں نہیں ملتے۔ آج ایک مٹی کے ٹوکرے اور گری ہوئی دیوار پر ایک اینٹ رکھ دینے کے معاوضے اشرفیوں اور ہیروں کی قیمت مل رہی ہے کیونکہ کام کرنے والے جتنے کم ہوں گے، اتنی ہی کام کی مزدوری بھی بڑھ جائیگی۔ خزانۂ سعادت لٹنے کے لئے کھل چکا اور شرف و مراتب کا دروازہ ہر رہرو کے لئے باز ہے۔ کون ہے جو اس کے خزانے لوٹتا اور اس دولت و کامرانی سے مالا مال ہوتا ہے جس کے لئے نہ معلوم اچھے وقتوں میں کیسے کیسے ارباب طلب بیقراریوں کے آنسو بہا چکے ہیں اور.... آرزوؤں سے بھری ہوئی دعائیں مانگ چکے ہیں؟

فما لل والتردد دخول نجد
وقد غصت تهامة بالرجال

ختم شد